جلد 4 شمارہ 1 مارچ 2002ء ذوالحجۃ 1422ھ

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ہ (الرعد)

آپؐ کہہ دیجئے کہ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کا۔ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ٹھکانہ ہے۔

ماہنامہ

آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

ماہنامہ

فلاح آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی

جلد 4 شمارہ 1 مارچ 2002ء ذوالحجہ 1422ھ

قیمت ——— 15/- روپے   سالانہ فنڈ ——— 150/- روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
کاشانہ توحیدیہ نو کھر ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-293379

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-255519
E-mail: toheddia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شریعت کے احکامات میں کوئی مصلحت نہیں ہوتی اور اعمال اور ان کی جزائیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں ان میں کوئی نسبت نہیں۔ اور ان اعمال کے ادا کرنے میں محض آزمائش ہے جو ان کو ادا کرے گا وہ انعام کا حقدار ہو گا اور جو انکار کرے گا اسے سزا ملے گی۔

یہ خیال بالکل غلط ہے۔ قرآن کریم کی آیات اور احادیث رسول ﷺ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر عمل جو کوئی مسلمان کرتا ہے اس کے اثرات اس کی ذاتی زندگی اور معاشرے پر پڑتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "انما الاعمال بالنیات" اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اور ارشاد ربانی ہے۔

لن ینال اللہ لحومھا ولا دماوھا ولکن ینالہ تقوی منکم

یعنی اللہ کو تمہاری قربانیوں کے گوشت اور خون نزدیک نہیں کرتے بلکہ تمہاری پرہیزگاری نزدیک کرتی ہے۔ اس آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اعمال کی ظاہری شکل کو نہیں دیکھتا بلکہ اس نیت اور جذبے کو دیکھتا ہے جس کی زیر اثر وہ عمل کیا جاتا ہے۔

نماز کے متعلق اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں "اقم الصلوۃ لذکری" میری یاد قائم کرنے کے لئے نماز پڑھ نماز اللہ کی یاد اور اس کے حضور عاجزی کا اظہار کرنے کے لئے فرض کی گئی ہے اور اس سے یہ بھی مقصود کہ اس کے طفیل آخرت میں دیدار باری تعالیٰ نصیب ہو۔ حدیث شریف میں ہے ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر "یعنی نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے" اگر نماز کے ادا کرنے میں کوئی مصلحت نہ ہو تو انسانی زندگی پر اس کے اثرات کیسی مرتب ہو سکتے ہیں۔ نماز اگر مسلمان کو گناہوں سے نہ روک سکے تو یہ عبادت محض ایک رسم رہ جاتی ہے۔ اگر نماز سے مسلمان کی روحانی ترقی نہ ہو تو اس نماز کا کیا فائدہ۔ حدیث میں آتا ہے کہ "الصلوۃ معراج المومنین" یعنی نماز مومن کی معراج ہے۔ مومن کے لئے نماز ایک سیڑھی کی طرح ہے جس

پر وہ روحانی منزلیں طے کرتے ہوئے سفر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔

زکوٰۃ کا حکم شریعت میں اس لئے دیا گیا ہے کہ اس سے بخل کی کمینہ عادت جاتی رہے اور حاجت مندوں کی ضرورت پوری ہوتی رہے۔ زکوٰۃ نہ دینے والوں کو تنبیہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وہ لوگ جو ان نعمتوں میں بخل کرتے ہیں جو خدا نے اپنے فضل سے ان کو دی ہیں یہ ہر گز خیال نہ کریں کہ یہ ان کے حق میں اچھا ہے بلکہ برا ہے۔ قیامت کے روز یہ چیزیں جن کا انہوں نے بخل کیا ان کے گلے کا طوق ہوں گی"۔ زکوٰۃ کے فرض کرنے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم مصلحت کار فرما ہے۔ زکوٰۃ سرمائے کے ارتکاز کو روکتی ہے اس کو گردش میں لاتی ہے۔ تاکہ مفلوک الحال لوگوں کو بے یار و مددگار نہ چھوڑا جائے۔ بلکہ مومنین تو یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر کوئی محتاج چل کر ان کے پاس اپنی حاجت براری کے لئے آئے تو یہ اس کی مہربانی ہے جس نے ان کو کار خیر کا موقع فراہم کیا۔

مال و زر انسان کی کمزوری ہے انسان ان سے بہت محبت کرتا ہے۔ اس محبت میں وہ اپنے خالق سے غافل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم فرماتے ہیں جو انسان کو محبوب ہوتی ہیں اور اللہ کے ذکر سے غافل کرتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔
"تمہارے مال جان اور اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں"

روزہ نفس کو مطیع کرنے کے لئے مقرر ہوا ہے۔ روزے کو نفس انسان کی تربیت سے خصوصی تعلق ہے اور تزکیہ قلوب میں اس کو فطری دخل ہے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تربیت و تزکیہ کا کورس اس کے بغیر پورا ہی نہیں ہو سکتا اور کوئی بھی دوسری عبادت اس کا بدل نہیں بن سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء کی سابقہ شریعتوں میں فرض رہا ہے۔ روزے کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ آدمی میں تقویٰ پیدا ہو جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے ترجمہ! "اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے گزرے ہیں تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو" تقویٰ دراصل اس "اخلاقی جوہر" کا نام ہے جو خدا کی محبت اور خوف سے پیدا ہوتا ہے خدا کی ذات پر ایمان اور اس کی صفت رحمت و کرم اور فضل و احسان کے گہرے احساس سے جذبہ محبت جنم لیتا

ہے اور اس کی صفت قہر و غضب اور عذاب و عتاب کے شعوری تصور سے جذبہ خوف ابھرتا ہے اور محبت و خوف کی یہ قلبی کیفیت ہی تقویٰ ہے۔ جو تمام اعمال خیر کا اصل سرچشمہ اور تمام اعمال بد سے روکنے کا حقیقی زریعہ ہے۔

حج اس لئے فرض ہوا ہے کہ اس سے خدا کی نشانیوں کی عظمت ظاہر ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ "۔ بے شک سب سے پہلا گھر ہے جو مکہ میں اور فرمایا۔ "ان الصفاء والمروۃ من شعائر اللہ صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہے"

درجہ بالا اعمال یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہر عبادت کے خاص اثرات اور اسرار ہیں۔ جب تک ان اثرات کو سمجھا نہ جائے اس وقت تک اعمال کی حقیقت واضح نہیں ہوتی۔ یہ اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ اسلامی اعمال محض رسول نہیں بلکہ یہ انسان کا مکمل احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسرار دین سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

(والسلام وحید احمد)

درس قرآن

(سید محمد عبداللہ شاہ)

فمن یکفر یا الطاغوت ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لاانفصام لھا

(البقرہ آیت 256)

ترجمہ!"جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں"

طاغوت کا انکار

اللہ پر ایمان لانے کے لئے ضروری ہے کہ تمام غیر اللہ کا انکار کیا جائے۔ کلمہ طیبہ کے پہلے حصہ میں (لا الہ الا اللہ ہے جس سے مراد ہے "اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں" طاغوت سے انکار اور اللہ پر ایمان ایک مضبوط سہارا ہے جسے مومن تھام لیتا ہے۔

طاغوت کیا ہے

طاغوت سے مراد انتہائی درجہ کا سرکش شخص ہے ایسے غیر اللہ کو طاغوت کہا گیا ہے جو لوگوں سے اپنی بندگی کراتے ہیں جو اللہ کے مقابلے میں اپنے حکم و نظام چلاتے ہیں یعنی کمال درجہ کے سرکش ہیں۔ طاغوت ایسے بندے ہیں جو خود بندگی نہیں کرتے نافرمان ہیں' کافر ہیں خود خدا بن بیٹھے ہیں خدائی کے دعوے کرتے ہیں لوگوں سے اپنی بندگی کراتے ہیں۔ جب انسان ایسے بندوں کی فرمانبرداری سے انکار کرتا ہے ان کا باغی بنتا ہے اور خدا پر ایمان لاتا ہے تو وہ ایک مضبوط سہارا تھام لیتا ہے۔

جو انسان اللہ کو مانے اصولا" اس کے تمام احکام کو تسلیم کرلے مگر اپنی بے عملی کی وجہ سے اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی کرلے ایسا انسان گنہگار ہے اسے فاسق کہیں گے یعنی یہ عمل "فسق" ہے اس کے مقابلے میں ایسا انسان جو کھلم کھلا خدا کے حکم کا انکار کرلے اور اس کے مقابلے میں کسی اور کی بندگی کرنے لگے اسے کافر کہیں گے اس کا یہ عمل کفر ہے۔ ان دونوں کے مقابلے میں

ایسا شخص جو کفر کرے اللہ کا باغی ہو اور وہ ایک قدم مزید آگے بڑھ کر اللہ کے مقابلے میں کھڑا ہو جائے اس کے احکام کے مقابلے میں اپنے احکام چلائے اس آخری مرتبہ پر جو پہنچے اسے طاغوت کہتے ہیں ایسے طاغوت کا انکار تقاضہ ایمان ہے بندہ مومن نہیں ہو سکتا جب تک ایسے طاغوت کا انکار نہ کرے۔

طاغوت سے بچنے والے کے لئے جنت ہے

سورۃ الزمر آیت 17 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

ولذین اجتنبوا الطاغوت ان یعبدوھا انابوا الی اللہ لھم البشری

"جن لوگوں نے طاغوت کی بندگی سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کر لیا ان کے لئے خوشخبری ہے"

جو لوگ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور طاغوت سے بچتے ہیں وہ دراصل کامیاب لوگ ہیں وہ خوش نصیب ہیں ان لوگوں کے لئے خوشخبریاں ہیں یعنی ایسے لوگ جنتی ہونگے۔ ان کے مقابلے میں جو لوگ کفر کا راستہ اختیار کرتے ہیں ان کی پشت پناہی ہمیشہ طاغوت کرتے ہیں یہ لوگ گمراہی کی طرف جاتے ہیں ان کے لئے جہنم کی وعید ہے۔

طاغوت کی پیروی جہنم میں لے جاتی ہے

ولذین کفروا اولیھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمت اولئک اصحب النار ھم فیھا خلدون O

"جو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کے حامی و مددگار طاغوت ہیں اور وہ انہیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ یہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے" البقرہ آیت 257

جو لوگ طاغوت کا انکار نہیں کرتے وہ ہدایت کی روشنی سے محروم ہو جاتے ہیں اور گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں اور گمراہی انہیں آخر کار جہنم میں لے جاتے ہے وہ سدا اس میں رہیں گے۔

طاغوت کی بندگی سے بچنے کا حکم

انسان کو طاغوت کی بندگی سے نکالنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء بھیجے جنھوں نے انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکالنے اور اللہ کی بندگی کی طرف لانے کے لئے تبلیغ کی ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان اعبدالله واجتنبوالطاغوت (النحل آیت 36)

"اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو"

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو طاغوت کی بندگی سے بچنے کا حکم دیا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی صورتیں ہیں جو طاغوت کی شکل میں موجود ہیں اور ہمیں ان سے بچنا ہے۔

طاغوت کی اقسام

طاغوت کئی قسموں کا ہے اس کی کچھ اقسام یہ ہو سکتی ہیں۔ (1) شیطان (2) نفس انسانی(3) اعزہ اور اقربا دوست و آشنا (4) قوم و خاندان اور برادری (5) حکومت اور احکام (6) رہنما اور پیشوا طاغوت کی یہ تمام شکلیں انسان کو خدا کی بندگی سے دور کرتی ہیں شیطان انسان کو مختلف ترغیبات کے ذریعہ اپنی پیروی کراتا ہے اور انسان گمراہی کی طرف جاتا ہے۔ انسان کا نفس بھی اندر سے انسان کے احساسات و جذبات اور خواہشات کو ابھارتا ہے جس سے وہ اللہ کی نافرمانی کرتا ہے دوست واحباب' بیوی بچے وغیرہ قوم و برادری کی روایات رسوم و رواج بھی خدا کی نافرمانی پر اکسا سکتے ہیں جب یہ رسوم و روایات خدا کے احکام کے بالکل متضاد ہوں تو پھر یہ قوم و برادری بھی طاغوت بن جاتی ہے رہنما اور پیشوا جو قوم کی گمراہی کا باعث بنتے ہیں طاغوت ہیں۔

موجودہ دور کا طاغوت

اس وقت حکومت پاکستان اور امریکہ ملت اسلامیہ کے لئے طاغوت کی شکل اختیار کر چکے ہیں یہ مسلم کش اور اسلام دشمن پالیسی پر چل نکلے ہیں۔ کیونکہ ہر وہ طاقت کے نشے میں مست قوم و حکمران جو اللہ کے احکام کی صریح خلاف ورزی کے مرتکب ہوں وہ طاغوت ہیں ان کے لئے فمن یکفر باالطاغوت (کا حکم صادر ہوا ہے۔ کیونکہ ہم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک

ہم طاغوت کا انکار نہ کریں۔ اگر ہم یہ خیال کریں کہ ہم خدا کے حکم کے ساتھ ساتھ طاغوت کی بھی فرمانبرداری کریں کوئی درمیانہ راستہ نکال لیں اور ماڈریٹ مسلمان بن جائیں تو ایسا ممکن نہیں ہمارے ماڈریٹ ہو جانے سے قرآن کی آیات تبدیل نہیں ہو سکتیں اور نہ ہی نئی آیات نازل ہونے کا امکان ہے۔ اس لئے طاغوت کا انکار لازم ہے ورنہ ہمارا ایمان ناقص ہو گا۔)

طاغوت کی راہ میں لڑنا کفر ہے

سورۃ النساء آیت 76 میں ارشاد ربانی ہے "جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں پس شیطان کے ساتھیوں سے لڑو یقین جانو کہ شیطان کی چالیں حقیقت میں کمزور ہیں"

اللہ کی راہ میں اس لئے لڑنا کہ خدا کا دین زمین پر غالب ہو اور احکام خداوندی نافذ ہوں دوسری طرف طاغوت کی راہ میں اس لئے لڑنا کہ اللہ کے فرمانبرداروں کی بجائے زمین پر اللہ کے نافرمانوں اور باغیوں کی حکمرانی ہو انکا راج ہو یہ کافروں کا کام ہے افغانستان میں ہماری حکومت نے مجاہدین اور افغانوں کے خلاف لڑ کر اور امریکہ کا ساتھ دے کر طاغوت کا ساتھ نبھایا ہے طاغوت کے ساتھی شیطان کے ساتھی ہیں اور شیطان کے ساتھیوں سے لڑنے کا حکم ہے اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں طاغوت کی غلامی سے نجات دے آمین۔

درس حدیث

(رانا محمد اعجاز)

عن ابی سعید قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول الرب تبارک و تعالی من شغله القران عن ذکری و مسالتی اعطیته افضل ما اعطی السائلین و فضل کلام الله تعالی علی سائر الکلام کفضل الله علی خلقه

ترجمہ! حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو قرآن نے مشغول رکھا میرے ذکر سے اور مجھ سے سوال اور دعا کرنے سے میں اس کو اس سے افضل عطا کروں گا جو سائلوں اور دعا کرنے والو کو عطا کرتا ہوں اور دوسرے اور کلاموں کے مقابلے میں اللہ کے کلام کو ویسی ہی عظمت و فضیلت حاصل ہے جیسی مخلوق کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کو۔

قرآن مجید کی تلاوت بھی ذکراللہ کی ایک قسم ہے اور بعض حیثیتوں میں سب سے افضل اور اعلیٰ قسم ہے۔ اس میں بندے کی مشغولیت اللہ تعالیٰ کو بے حد محبوب ہے۔

قرآن مجید کی بے انتہا عظمت کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ کلام اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفت ہے۔

اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے یہاں تک کہ زمینی مخلوقات' انبیاء علیہم السلام کی مقدس ہستیاں اور عالم بالا و عالم غیب میں عرش لوح و قلم' جنت اور جنت کی نعمتیں اور اللہ کے مقرب فرشتے یہ سب اپنی معلوم و مسلم عظمت کے باوجود غیراللہ اور مخلوق ہیں لیکن قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اور اس سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کی حقیقی صفت ہے۔ جو اس کی ذات عالی کے ساتھ قائم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بے انتہا کرم اور اس کی عظیم ترین نعمت ہے کہ اس نے اپنے رسول کریم ﷺ کے ذریعہ وہ کلام ہم تک پہنچایا اور ہمیں اس لائق بنایا کہ اس کی تلاوت کر سکیں اور اپنی زبان سے اس کو پڑھ سکیں اور پھر اس کو سمجھ کر اپنی زندگی کا راہنما بنا سکیں۔

قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طویٰ کی مقدس وادی میں ایک مبارک درخت سے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلام سنوایا تھا۔ کتنا خوش نصیب تھا وہ درخت جس کو حق تعالیٰ نے اپنا کلام سنوانے کے لئے بطور آلہ استعمال فرمایا تھا۔ جو بندہ اخلاص اور عظمت و احترام کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے تو اس کو اس وقت شجرہ موسوی والا یہ شرف نصیب ہوتا ہے۔ حق یہ ہے کہ انسان اس سے آگے کسی شرف کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اس تمہید کے بعد مذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں دو باتیں فرمائی گئی ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے جس بندے کو اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے ایسا شغف ہو کہ وہ دن رات اسی میں لگا رہتا ہو یعنی اس کی تلاوت میں اس کے یاد کرنے میں اس کے تدبر اور تفکر میں یا اس کے سیکھنے سکھانے میں اخلاص کیساتھ مشغول رہتا ہو اور قرآن پاک میں اس ہمہ وقتی مشغولیت کی وجہ سے اس کے علاوہ اللہ کے ذکر اس کی حمد و تسبیح اور اس سے دعائیں کرنے کا موقع ہی اس کو نہ ملتا ہو تو وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ کچھ خسارے میں رہے گا اور ذکر و دعا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ جو کچھ عطا فرماتا ہے وہ اس کو نہ پاسکے گا۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ ایسے بندوں کو ان سے زیادہ اور اس سے بہتر دوں گا جو ذکر کرنے والے اور دعائیں مانگنے والے اپنے بندوں کو دیتا ہوں۔

دوسری بات جو اس حدیث مبارکہ میں بیان فرمائی گئی ہے کہ اللہ کے کلام کو دوسرے کلاموں کے مقابلے میں ویسی ہی عظمت و فضیلت حاصل ہے جیسی کہ خود اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے مقابلے میں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت قائمہ اور بندوں کے لئے اس کا فرمان اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفت قائمہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفت قائمہ اور بندوں کے لئے اس کا فرمان اور عہد نامہ ہے۔ اس کی وفاداری اور تابعداری اللہ تعالیٰ کی وفاداری اور تابعداری ہے۔ اسی طرح اس سے انحراف سرکشی ہے اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ جو قوم اور امت خواہ وہ کسی نسل سے ہو اس کا کوئی بھی رنگ اور کوئی بھی زبان ہو۔ قرآن مجید کو اپنا راہنما بنا کر اپنے آپ کو اس کا تابعدار بنا دے گی اور اس کے ساتھ وہ تعلق رکھے گی جو کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے اس کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں سربلند کرے گا اور اس کے برعکس جو قوم اور امت اس سے انحراف اور سرکشی کرے گی وہ اگر بلندیوں کے آسمان پر بھی ہو گی تو نیچے گرا دی جائے گی۔

سلوک اور اس کے عملی طریقے

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

رسول اکرم ﷺ نے سلوک طے کرنے کے یہ طریقے بتائے تھے۔

۱۔ چوبیس گھنٹے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے بلکہ سوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا ۔

۲۔ پانچ وقت نماز حضوری قلب کے ساتھ

۳۔ تلاوت قرآن

۴۔ نوافل تہجد

۵۔ تزکیہ اخلاق

ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں جتنے اعراب مسلمان ہو چکے تھے ' وہ سب نہ تو ان طریقوں پر عمل کرتے تھے نہ سب کو مرتبہ ایمان حاصل تھا' ان کی اکثریت صرف مسلمان تھی' لیکن جن لوگوں کو حضور ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل تھا' وہ سب مومن تھے۔ ان بزرگوں میں بھی جو کوئی رسول اللہ ﷺ سے جتنا زیادہ تقرب اور محبت رکھتا تھا' اس کا ایمان اتنا ہی محکم اور مستحکم تھا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ملت اسلامیہ دو جماعتوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے ' ایک مسلمان ' دوسرے مومن۔ اب معلوم ہونا چاہئے کہ اعمال و اخلاق کے لحاظ سے تمام مسلمان بھی ایک درجے کے نہیں ہوتے ' بہت سے فاسق و فاجر اور بے انتہا گنہگار ہوتے ہیں ' دوسرے ان سے کم اور پھر ان سے بھی کم وقس علیٰ ہذا ' اور آخر میں بہت سے لوگ نہایت ہی متقی ' پرہیزگار ' صالح اور عبادت گزار بھی ہوتے ہیں ' یہی حالت مومنوں کی بھی ہے۔ معمولی درجہ کے مومن اور آخر میں اعلیٰ درجہ کے مومن۔ ایمان کی تعریف رسول اکرم ﷺ نے یہ فرمائی ہے کہ عبادت کرتے وقت تم یہ محسوس کرو کہ خدا تم کو دیکھ رہا ہے ' لیکن اعلیٰ درجے کے ایمان کی تعریف یوں کی ہے کہ جب تم عبادت کر رہے ہو تو یہ محسوس کرو کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو۔ ایمان کا یہ درجہ سب سے بڑا ہے ' اس درجہ کے ایمان کو احسان کہتے ہیں۔ بہر حال مرتبہ ایمان ہو یا مرتبہ احسان ' حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں یہ مرتبہ آپ کے فیض و صحبت سے میسر آجاتا تھا۔

سرکار دو عالم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کبار کے فیض صحبت سے بھی یہ بات میسر ہو جاتی تھی، لیکن بعد میں جتنا بعد حضور ﷺ کے زمانہ سے ہوا، یہ فیض صحبت کم ہو تا گیا۔ جب عرب کے علاوہ دوسرے ممالک کی پوری آبادیوں نے مذہب اسلام قبول کر لیا، خلافت کی جگہ بادشاہت نے لے لی، دولت دنیا کی بہتات اور فسق و فجور کی زیادتی ہوئی، اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی محبت دلوں سے جاتی رہی، بادشاہوں اور امیروں میں عیاشی اور بے دینی عام ہو گئی تو اہل اللہ نے ان لوگوں سے الگ ہو کر خانقاہیں آباد کیں اور گوشہ میں بیٹھ کر حکمت کی تعلیم دینے لگے، وہ ایسا کرنے میں حق بجانب اور مجبور تھے۔ ان بزرگوں اور ان کے مریدوں میں خالص عرب عنصر برائے نام ہی رہ گیا تھا، زیادہ تر یہ لوگ عجمی اور نو مسلم تھے مثلاً" ایرانی، شامی، مصری اور ہندوستانی وغیرہ۔

ان تمام قوموں میں پہلے سے اپنا تصوف اور عالم روحانی کا ایک خاص تصور اور فلسفہ موجود تھا اور اس عالم روحانی کی معرفت حاصل کرنے کے خاص طریقے سینکڑوں سال سے مروج چلے آتے تھے مثلاً" حلقوں میں ذکر کرنا، رقص و سرور اور ریاضت ہائے شاقہ جیسے کہ یوگ کی مشقیں۔ اس سے بھی کہیں زیادہ جو چیز ان عجمیوں کے تصوف میں تھی وہ کشف و کرامات کے مظاہرات تھے۔ یہ تمام باتیں حکمت میں بھی سالکین کو خود بخود بلا کوشش حاصل ہو جاتی تھیں، لیکن ابتدائے اسلام میں جو بزرگ تھے وہ نہ تو کرامتوں کو کوئی خاص وقعت دیتے تھے نہ ان کا اظہار کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ایسا کرنے سے توحید اور حق پرستی کے بجائے اشخاص پرستی پیدا ہو جائے گی جو ملت کی تباہی کا باعث ہو گی، لیکن زمانہ مابعد کے اولیاء اس پر مجبور ہو گئے کہ تبلیغ اسلام کے لئے غیر مسلم صوفیوں سے بہتر کرامات دکھائیں، اسی طرح وہ اس بات پر بھی مجبور ہو گئے کہ ہر عجمی قوم کے رجحانات اور مقتضیات کے مطابق حکمت کے ابتدائی طریقوں میں کچھ تغیر و تبدل ضرور کریں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے ۱۱۰ ہجری میں حضرت حسن بصریؒ نے بصرے میں فلسفہ تصوف کا درس شروع کیا، گویا تعلیم حکمت اب دلوں سے نکل کر زبان پر آنے لگی۔ اس کے بعد تیسری صدی ہجری میں حضرت ذوالنون مصریؒ نے علم تصوف کو باقاعدہ مدون کیا، گویا "حال" اور کوائف باطنی کے لئے اصطلاحات وضع کی گئیں اور یہ علم رفتہ رفتہ کتابی بننے لگا، جیسے کسی زبان کے وجود میں آنے کے بعد اس کی گرائمر تیار ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ رفتہ رفتہ یہ علم کتابی بنتا گیا اور حصول مقصد کے ذرائع اور قواعد میں بھی ترمیم و تنسیخ اور اختراع و ایجادات ہوتی گئیں اور عجمی رنگ

غالب آتا چلا گیا، مثلاً "ایران کے مشائخ نے ذکر بصورت حلقہ شروع کیا، یعنی سب بزرگ مل کر ایک دائرہ بناتے اور باآواز بلند ذکر کرتے اور اگر دوران ذکر کسی پر وجد طاری ہوتا تو وہ حلقے کے بیچ میں آ کر حال کھیلتا اور تمام حلقہ اس کے گرد ذکر کرتے یا اشعار پڑھتے ہوئے رقص کرتا یا مثلاً "جب خواجہ بزرگ معین الدین چشتیؒ نے ہندوستان پہنچ کر تبلیغ شروع کی اور دیکھا کہ ہندوؤں کی تمام عبادتوں کا جزو اعظم گانا بجانا اور ان کی روحانیت کا ماحصل یوگ کے کرشمے دکھانا ہے تو آپ نے ان کو رجوع کرنے کے لئے سماع یعنی قوالی جاری کی، نیز یوگ کا مطالعہ کر کے اپنے مریدوں کو سکھایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو جوق در جوق ان کے حلقوں میں شامل اور مسلمان ہونے لگے۔

المختصر یہ تبدیلیاں ہوتے ہوتے چار بڑے خاندان قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ وجود میں آئے، پھر ان میں بھی بہت سی شاخیں نکل آئیں اور ذکر و فکر کے طریقوں میں تھوڑا بہت تغیر ہوتا رہا، یہاں تک تو حالات پھر بھی قابل اطمینان رہے، لیکن جب ملحد مغل بادشاہ اکبر نے دین الٰہی جاری کیا اور اس میں عیسائی، ہندو اور مسلمان تمام مذاہب کے اصولوں، عقیدوں اور رسموں کو مدغم کر دیا تو اس کا اثر یہ ہوا کہ ہندو بھی اپنی توحید کو مسلمانوں کی توحید کے برابر سمجھنے لگے۔ اتنا ہی نہیں خود عام مسلمانوں میں بھی یہی خیال راسخ ہو گیا کہ توحید کا در یکتا صرف ہمارے ہی خزانہ میں نہیں، دوسرے مذاہب کی تجوریوں میں بھی موجود ہے۔ اس پر غضب یہ ہوا کہ وحدت الوجود کے غلط عقیدے کی وجہ سے چونکہ توحید کا اصلی مفہوم ان کے دماغ سے نکل چکا تھا، وہ دوسروں کے خزف ریزوں کو بھی گوہر یکدانہ ہی سمجھ بیٹھے اور اپنے دین کی فضیلت کا جو یقین ان کے دلوں میں قائم تھا، ضائع ہو گیا۔

حصول حکمت کے جو چار طریقے آج کل رائج ہیں وہ اگرچہ بعینہٖ تو وہ نہیں جو حضور سرور کائنات ﷺ نے تعلیم فرمائے تھے، لیکن ان میں کچھ خامی بھی نہیں ہے۔ طالبین ان سے پورا استفادہ کر سکتے ہیں بشرطیکہ مرشد کامل ہو۔ یہاں ان طریقوں کو الگ الگ اور مفصل طور پر بیان کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ سب بہت عام اور مشہور ہیں۔ ہاں موجودہ زمانہ کی ذہنیت اور طالبین کی مصروف زندگی کو دیکھتے ہوئے ہم نے خود معمولی سی ترمیم و اختراع کے بعد کچھ طریقے حصول حکمت کے مقرر کئے ہیں اور ان کو تجربہ کے بعد مفید اور سہل العمل پایا ہے، اس لئے ہم یہ طریقے بیان کرتے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

۱ ۔ پاس انفاس۔
۲ ۔ نفی اثبات۔
۳ ۔ نماز فرض اور نوافل۔
۴ ۔ تلاوت قرآن۔

۵ ۔ ترک ماسویٰ اللہ۔
۶ ۔ تسلیم و رضا۔
۷ ۔ غصہ اور نفرت کو نفی کرنا۔
۸ ۔ عالمگیر محبت اور صداقت یعنی حق کو اختیار کرنا}۔

۹ ۔ فکر عرفان
۱۰ ۔ خدمت خلق مقصود اعظم

اب ان کی تفصیل سنئے۔

1۔ پاس انفاس

پاس انفاس کے لفظی معنی ہیں سانسوں کا لحاظ رکھنا' یعنی کوئی سانس اللہ تعالیٰ کی یاد سے خالی نہ رہے۔ طریقہ اس کا یہ ہے کہ ہر سانس جو اندر جائے یا باہر آئے اس سے لفظ "اللہ" اس طرح کہو کہ دل کہے اور کان سنیں۔ جلدی جلدی اللہ اللہ کہنے کے خیال سے سانس جلدی جلدی نہ لو' سانس کی لمبائی قدرتی ہے' لفظ "اللہ" کو سانس کے مطابق لمبا کرلو۔ اندر جانے والے سانس کے ساتھ جو "اللہ" کہا جائے وہ دل سے شروع ہو کر ام الدماغ میں ختم ہو اور باہر نکلنے والا سانس ام الدماغ سے شروع ہو کر دل میں گھس جائے' اس طرح اللہ اللہ کہتے وقت یہ محسوس کرنے کی کوشش کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اندر' باہر' اوپر' نیچے دہنے' بائیں' اردگرد کے مادے اور خلاء میں ہر جگہ موجود ہے اور خواہش پیدا کرو کہ وہ نظر آجائے' یہ خواہش ہی محبت الٰہی کی ابتداء ہے۔ اس کو بڑھاتے رہو' ظاہر ہے کہ یہ صرف فرصت کے وقت میں ہو سکتا ہے' کام کاج کی

مصروفیت میں نہیں ہو سکتا، اس لئے یہی کوشش کرو کہ فرصت کا کوئی لمحہ اس سے خالی نہ رہنے پائے۔ تم دیکھو گے کہ کچھ عرصہ بعد کام اور بات چیت کرتے وقت بلکہ سوتے میں بھی یہ ذکر خود بخود جاری رہے گا اور کوئی دقت پیش نہ آئے گی۔

اس ذکر کی غرض و غایت صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد مستقلاً دل میں بیٹھ جائے۔ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں ذکر پاس انفاس نہ کرایا جاتا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مستقل یاد حضور ﷺ کی صحبت سے صرف چند دن میں حاصل ہو جاتی تھی۔

اسم ذات یعنی اللہ کے سوائے اور اسماء کا ذکر بھی پاس انفاس کے لئے بتایا جاتا ہے مگران اسماء کا انتخاب صرف مرشد ہی کر سکتا ہے طالب خود مقرر نہیں کر سکتا۔

2۔ نفی اثبات

"لاالہ الا اللہ" کے ذکر کو نفی اثبات کہتے ہیں۔ کیونکہ "لاالہ" کے معنی ہیں "کوئی معبود نہیں ہے" یہ نفی ہوئی اور "الا اللہ" کے معنی ہیں "لیکن اللہ" یہ اثبات ہوا۔ طریق حکمت میں یہ ذکر کرتے ہوئے لاالہ کہتے وقت نفی کی مشق کے واسطے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کوئی چیز بھی موجود نہیں ہے۔ طریقہ اس کا یوں ہے کہ تہجد، فجر، مغرب یا عشاء کی نماز کے بعد دعا سے فارغ ہو کر اسی طرح دو زانو بیٹھے بیٹھے آنکھیں بند کر کے چند مرتبہ درود شریف رسول اکرم ﷺ کو یاد کرتے ہوئے پڑھو، پھر دماغ کو تمام دنیاوی وساوس و خیالات سے پاک کرو، اس کے بعد ناف کے ایک انگشت نیچے سے لفظ "لا" شروع کرو، اس وقت گردن جھک جائے گی، اب گردن اوپر اٹھاتے جاؤ اور "لا" کو کھینچتے ہوئے بالکل سیدھا اوپر کی طرف لاتے جاؤ، یہاں تک کہ گردن تن جائے اور سر کسی قدر اوپر اٹھ جائے، اس طرح لفظ "لا" کو ام الدماغ میں ختم کرو۔ اب گردن کو داہنی طرف موڑو یہاں تک کہ سر دہنے کندھے کی طرف ڈھلک جائے، اسی کے ساتھ لفظ "الہ" کہو اور خیال کرو کہ کوئی شے اور کوئی ہستی موجود نہیں ہے، یعنی دماغ میں کوئی بھی خیال باقی نہ رہے بالکل خالی ہو جائے۔ چار پانچ سیکنڈ ٹھہرو اور اگر کوئی خیال باقی رہے تو اس کو نفی کرو، پھر گردن اور سر کو بائیں طرف قلب کی جانب جھکاتے ہوئے جھٹکے اور پوری طاقت سے "الا اللہ" کی ضرب دل پر لگاؤ اور فوراً یہ خیال کرو کہ صرف اللہ ہی اللہ موجود ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں، یعنی اب دماغ میں صرف اللہ کا خیال باقی

رہے۔ دل بائیں چھاتی سے دو انگشت نیچے واقع ہے اور اس کی صورت صنوبر کی سی ہے "الااللہ" کی ضرب دل کی پشت پر لگانی چاہیئے۔ یہ ذکر کرتے ہوئے جب تھک جاؤ یا سانس پھول جائے تو "الااللہ" کے بعد "محمد رسول اللہ" کہہ کر کلمہ پورا کر لیا کرو اور رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجو۔ یہ ذکر ایک تسبیح سے لے کر دس تسبیح تک کرنا چاہیئے، جتنی طاقت ہو اور جتنی دیر لگے، جب دل اچاٹ ہو جائے تو ذکر بند کر دو، اگر تسبیح یا انگلیوں پر شمار کرنے میں دھیان بٹے تو ایک دفعہ گھڑی رکھ کر دیکھ لو کہ ایک تسبیح کتنی دیر میں ہوتی ہے، پھر وقت کے لحاظ سے کرتے رہو۔

بلندیٔ آواز کے لحاظ سے یہ ذکر تین طرح ہو سکتا ہے، بہت بلند آواز سے، صرف اتنی آواز سے جو کمرے سے باہر نہ نکلے اور سوائے تمہارے دوسرا نہ سنے یا پھر بالکل دل ہی دل میں۔ ابتدا میں بلند آواز سے ذکر کرنا بہتر ہے کیونکہ اس طرح اور آوازیں کانوں میں نہیں آتیں اور دھیان نہیں بٹتا، لیکن اگر کسی ساتھی یا پڑوسی کے آرام میں خلل آتا ہو تو پھر آہستہ آواز ہی سے کرنا چاہیئے۔ یہ ضروری ہے کہ ابتدا میں برس چھ ماہ یہ ذکر ایک وقت اور ایک جگہ مقرر کر کے کیا جائے، اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہ ذکر بھی اس طرح نہیں ہوتا تھا بلکہ اصحاب رسول ﷺ چلتے پھرتے ہر وقت دل میں کلمہ پڑھتے رہتے تھے۔ غایت اس ذکر کی یہ ہے کہ قلب جاگ اٹھے، اس میں حرارت اور سوز و گداز پیدا ہو اور نفی اثبات کی مشق سے دماغ آئندہ فنا و بقا کی کیفیات کو محسوس کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

اس ذکر کے بعد ذاکر کو چاہیئے کہ تین مرتبہ سورۃ الحمد شریف معنی سمجھ کر پڑھے اور اس کے بعد مادری زبان میں کوئی مناجات یا نعت اپنے ذوق کے مطابق پوری یکسوئی سے پڑھے، اس کے بعد کم از کم ایک تسبیح درود شریف کی پڑھ کر اپنے فائز المراد ہونے کی دعا کرے، پھر اپنے، ماں باپ، عزیز و اقارب، پیر بھائیوں اور مرشد کے لئے دعائے خیر کرے، پھر سبحان اللہ و بحمدہ کہتا ہوا کھڑا ہو جائے۔

3۔ نماز

نماز پنج وقتہ جماعت کے ساتھ پڑھنی چاہیئے، اگر ملازمت و روزگار کے حالات کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو تو پھر تنہا ہی پڑھ لو، قضاء نہ کرنی چاہیئے۔ نماز ایسی ہو کہ نیت باندھنے سے سلام پھرنے

تک برابر اللہ تعالیٰ ہی یاد رہے۔ یہ حالت صرف انہی لوگوں کو میسر آ سکتی ہے جو چوبیس گھنٹے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتے ہیں' اس کے سوا ممکن نہیں۔ یاد خدا کے انتہائی مدارج یہ ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا احساس ہونے لگتا ہے' اسی کو حضوری کہتے ہیں۔ اس حضوری میں بھی ترقی ہوتی رہتی ہے اور جو کیف و سرور اور لطف اس نماز میں حاصل ہوتا ہے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اسی نماز کے لئے سرور کائنات ﷺ نے فرمایا' لاصلوۃ الا بحضور القلب اور اسی نماز کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد کیا ہے اقم الصلوۃ لذکری کہ نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو۔ پنجوقتہ نماز کے علاوہ تہجد کے نوافل پڑھنے بھی بہت مفید ہوتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے نوافل میں ملتا ہے' اسی کو قرب نوافل کہا گیا ہے' جو سالک جلدی راستہ طے کرنا چاہتے ہیں ان کو تہجد ضرور پڑھنا چاہئے۔

4۔ تلاوت

بہتر تو یہی ہے کہ تلاوت فجر کی نماز کے بعد کی جائے' یہ ممکن نہ ہو تو پھر جب بھی وقت ملے کم از کم پاؤ سیپارے کی تلاوت ضرور کرنی چاہئے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ باآواز بلند نہایت خوش الحانی سے قرآن کریم پڑھو اور معنی و مطلب کی طرف مطلق دھیان نہ دو' صرف الفاظ کی ترتیل کا خیال رکھو اور تصور یہ کرو کہ تم جو آواز سن رہے ہو اللہ تعالیٰ کی آواز ہے' وہ خود اپنا کلام پڑھ رہا ہے اور تم سن رہے ہو۔ جب تلاوت ختم ہو جائے تو اسی کو معنی اور مطلب سمجھ کر آہستہ آہستہ پڑھو۔ ایک نوٹ بک پاس رکھو جو مفید مطلب بات نظر آئے' اسے لکھ لو اور اس پر عمل کرو۔

ذکر کا بیان ختم ہوا' اب مجاہدے کا بیان کیا جاتا ہے جس میں قطع ماسویٰ اللہ اور تسلیم و رضا کی مشق کرنی پڑتی ہے' اس کے بغیر ذکر سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا۔

خواجہ کے خطوط

(الحاج محمد حسین چہل)

1 رمضان کی برکات

(الحاج محمد حسین چہل 28/5/54)

رمضان میں یہاں حلقہ اور ذکر وغیرہ نہیں ہو رہا۔ رمضان کی برکات ہی کیا کم ہیں کہ کسی اور چیز کی ضرورت ہو۔

2۔ اللہ اللہ کرنے کا نتیجہ

(الحاج محمد حسین چہل 25/6/54)

آپ جو کچھ اللہ اللہ کرتے ہیں ٹھیک ہے اور کافی ہے نتیجہ میں کیا ملتا ہے یہ صرف اللہ کی دین ہے۔ امید تو ہے آپ سچے اور پکے مسلمان بن جائیں گے۔

3۔ نماز تہجد

(الحاج محمد حسین چہل 23/7/54)

تہجد کی نماز ہفتہ میں ایک آدھ مرتبہ ناغہ بھی کر لیا کریں تو کوئی حرج نہیں سب سے زیادہ خوش مزاج اور باانصاف بننے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

4۔ ماتحتوں سے سلوک

(الحاج محمد حسین چہل 26/8/54)

کام میں اپنے ماتحتوں کی کبھی رعایت نہیں کرنا چاہیئے۔ Sense Or Duty حد سے زیادہ ہونا چاہیئے۔ مگران کو گالیاں نہیں دینی چاہیں۔ نہ سختی سے بولنا چاہیئے۔ ڈیوٹی کے بعد ان سے محبت اور شفقت کا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ ان کی ہر طرح کی جائز مدد کے لئے تیار رہنا چاہیے مگراتنی جتنی اپنے بس میں ہو۔

5۔ میاں بیوی کا تعلق

(الحاج محمد حسین چھل 22/9/54)

میاں بیوی خوب محبت اور خوشی سے رہو۔ کبھی کسی سے شکایت کا موقع ہو۔ تو غصہ نہ کرو۔ بلکہ محبت سے ایک دوسرے کو سمجھاؤ۔ گھر میں امن خوشی اور سکون ہو۔ یہ جن کو یہاں میسر ہو اس کے بعد وہاں بھی ضرور میسر ہو گا۔

6۔ اللہ کا خیال

(الحاج محمد حسین چھل 13/10/54)

نماز اور ذکر میں میرے خیال کی ضرورت نہیں۔ صرف اللہ کا خیال رکھو۔ کہ وہ آپ کے اندر اور باہر آگے پیچھے۔ الغرض سارے ماحول میں موجود ہے۔ جیسے ہوا موجود ہے۔

7۔ اللہ پر یقین

(الحاج محمد حسین چھل 25/10/54)

بے یقینی کس پر ہوتی ہے۔ مجھ پر یا اللہ پر۔ مجھ پر ہوتی ہے۔ تو پرواہ نہیں۔ اللہ پر یقین رکھو۔ وہی سب کچھ ہے۔ میں تو ناچیز ہوں۔ فرصت میں اور کام میں ہر وقت اللہ کا خیال رکھئیے اور ہر چیز میں اس کی صنعت گری کو محسوس کرنے کا خیال رکھا جائے۔ تو یقین بڑھتا چلا جاتا ہے۔

8۔ تعلق قلبی

(الحاج محمد حسین چھل 15/11/54)

بغیر موضوع کے صرف مزاج پرسی کے لئے خط لکھنا بہت اچھی بات ہے۔ اس سے تعلق قلبی ظاہر ہوتا ہے۔ باقی جو لوگ مطلب ہی سے خط لکھتے ہیں۔ وہ مخلص نہیں کہلائے جاسکتے۔ وہ تو مطلبی ہوتے ہیں۔

9۔ پیر پرستی

(الحاج محمد حسین چھل 4/3/55)

میں تو یہاں بنوں (صوبہ سرحد) میں پھنس کر رہ گیا ہوں۔ پٹھان لوگ بہت سخت ہوتے ہیں۔ پیروں کو مار کر ان کی قبر بنالیتے ہیں۔ مجھے تو زندہ ہی روکا ہوا ہے۔

آئین وحدت آدم

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کے ذریعے بنی نوع انسان کے لئے جو آخری پیغام قرآن مجید کی صورت میں نازل فرمایا وہ ہر پہلو سے ایک کامل اور عالمگیر آئین ہے جو ساری نسل انسانی کی یکساں فلاح کا ضامن اور وحدت آدمیت کا علمبردار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اس آئین کی بنیاد انفرادی، خانگی، نسلی یا قومی مفادات کی بجائے پوری نسل انسانی کی فلاح و بہبود پر قائم ہے۔ سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کسی ایک قوم کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نہیں بلکہ کرہ ارض پر بسنے والی ساری اولاد آدم کے لئے مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کے سوا کسی بھی دوسرے رسول نے یہ اعلان نہیں فرمایا کہ اے بنی نوع انسان میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے اترنے والی ہدایات کا آخری اور مکمل مجموعہ قرآن کریم وہ منفرد کتاب ہے جو تمام دنیا کے انسانوں کو ہدایت اور نور کی طرف آنے کی دعوت دیتی ہے۔ یہ اعزاز بھی اللہ کی اس آخری کتاب کو حاصل ہے کہ اس میں خالق کائنات اپنی مخلوق سے براہ راست خطاب فرماتا دکھائی دیتا ہے۔ مکمل ہدایات پر مشتمل اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی مرکزی حیثیت اور روحانی عظمت کا احساس دلا کر مادی قوتوں اور مظاہر فطرت کے خوف سے نجات دلائی۔ اس طرح انسان کو اپنے اردگرد موجود اشیاء کی حقیقت معلوم کرنے کی ترغیب اور جرات ملی۔ اس آئین کے ذریعے یہ تعلیم دی گئی کہ پوری کائنات کا خالق اور مالک اللہ ہے اور تمام انسانون کا باپ ایک ہی تھا یعنی وحدت الوہیت اور وحدت آدمیت کا درس دیا گیا۔ اس طرح امن عالم کے سب سے بڑے دشمن رنگ و نسل اور وطنیت و قومیت کے بتوں کا قلع قمع کر کے وحدت انسانیت اور عالمگیر اخوت کی راہ دکھائی۔ نسلی اور پیدائشی فوقیت کے جھوٹے اصولوں کی بجائے ذاتی اہلیت اور کردار و اخلاق کی بلندی کو عزت و اکرام کا معیار بنانا سکھایا۔ اس دائمی شریعت کے قوانین کسی خاص قوم اور مخصوص زمانے کے رسم و رواج پر مبنی نہیں ہیں بلکہ انسانوں کے ان جبلی

تقاضوں اور فطری ضروریات پر مبنی ہیں جو تبدیل نہیں ہوتیں۔ اس شریعت میں انسان اور انسان کے درمیان بجز عقیدے اور عمل کے کسی اور چیز کی بناء پر کوئی تفریق روا نہیں رکھی گئی۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں بسنے والا انسان بلا لحاظ رنگ و نسل اور قوم و زبان اس عالمگیر آئین کے اصولوں پر ایمان لا کر ماننے والے گروہ یعنی ملت اسلامیہ میں بالکل مساوی حقوق کے ساتھ شامل ہو سکتا ہے۔ دین اسلام میں ان اکرمکم عند اللہ اتقکم کا اصول کار فرما ہے جس کے مطابق سب سے زیادہ عزت و اکرام کا مستحق اسے سمجھا جاتا ہے جو اللہ کے آئین کا سب سے زیادہ پابند ہو۔ اس میں انسانوں کو ظاہری قد کاٹھ اور دولت کے ٹھاٹ باٹ کے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے ساتھ محبت کے ترازو میں تولا جاتا ہے اور ایسا نظام وجود میں لایا جاتا ہے جس میں حکومت و امارت صرف متقی اور پرہیزگار لوگوں کے ہاتھوں میں رہے تاکہ لوٹ مار اور دولت جمع کرنے کے رجحان کی بجائے سادگی اور انسانیت کی خدمت کی روش کو فروغ ملے۔ ان فطری قوانین پر عمل پیرا ہونے سے معاشرتی مساوات' عدل و انصاف اور اسلامی اخوت پر مبنی جو معاشرہ وجود میں آتا ہے اس میں اس اعلیٰ طبقہ کے لئے دوسرے مسلمانوں سے علیحدہ کسی خصوصی استحقاق اور مراعات کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ دین میں ہر قسم کے طبقات کو ختم کر کے انسانی مساوات اور وحدت آدم کی راہیں ہموار کی جاتی ہیں۔ صرف خاص خاص لوگوں کے ساتھ عزت کا برتاؤ کرنے کی بجائے پوری انسانیت کے اکرام کا درس دیا جاتا ہے اس لئے یہاں درجہ بندیوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ نہ مسجد میں' نہ مکتب میں' نہ ریل میں نہ جیل میں' نہ چوپال میں نہ ہسپتال میں' حتیٰ کہ امیر مملکت کے لئے بھی کوئی استثنا نہیں ہے اور وہ بھی اپنے بھائیوں کے درمیان ایک عام شہری کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ کوئی شخص جو آج دائرہ اسلام میں داخل ہو اس کے لئے بھی اسلامی معاشرہ میں وہی حقوق و مراعات ہیں جو امیر المومنین کے لئے ہیں۔

عورت جو زمانہ قدیم سے مردوں کے ظلم و ستم کا شکار چلی آتی تھی اس آئین کے تحت ایک قابل احترام ہستی قرار پائی۔ اسے مردوں کے برابر معاشرتی حقوق مل گئے۔ بلکہ ایک لحاظ سے اسے مردوں پر بھی فوقیت حاصل ہو گئی کیونکہ پیدائش سے لیکر موت تک اسے نان و نفقہ کی فکر اور کسب رزق کی صعوبتوں سے آزاد کر کے اس کی کامل ذمہ داری مردوں پر ڈال دی گئی۔ اس

خصوصی حیثیت کے باوجود اسے اپنے باپ' خاوند اور بیٹوں کی جائیداد سے باقاعدہ حصہ ملتا ہے۔ اسے اپنی جائیداد رکھنے اور ذاتی کاروبار کرنے کا حق حاصل ہے لیکن اس پر کسی قسم کی مالی ذمہ داری ہرگز نہیں ہے۔ ہر انسان کے ساتھ عزت کا برتاؤ کرنے کی ترغیب دلانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور سب سے اچھا انسان وہ ہے جو اللہ کی مخلوق کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے۔ قرآن کریم میں انسانی خون کی حرمت اور جان کا تقدس اس قدر بڑھا دیا گیا ہے کہ حکم فرمایا گیا کہ جس شخص نے ایک انسان کو قتل کر دیا وہ اللہ کے نزدیک ساری نسل انسانی کا قاتل ہے اور جس نے کسی ایک انسان کی جان بچائی وہ اللہ کے ہاں ایسا ہے جیسے ساری نسل انسان کا محافظ ہو۔ اللہ رحیم و کریم کے دین رحمت میں تو حیوانوں اور پرندوں کے ساتھ بھی ہمدردی کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ جانور تو جانور اسلام میں تو درختوں کو بھی بلا ضرورت کاٹنے اور نقصان پہنچانے سے روکا گیا ہے۔ اللہ کا عطا کردہ آئین عالمگیر محبت' اکرام انسانیت اور حسن معاشرت کا داعی ہے اور اپنے ماں باپ' قرابت داروں' یتیموں' بیواؤں' مسکینوں' پڑوسیوں' ہم سفروں اور کام کاج کے ساتھیوں کے ساتھ ہر قسم کے تعصب سے بالاتر ہو کر حسن سلوک کا حکم دیتا ہے اللہ کے رسول ﷺ نے حسن معاشرت اور خوش خلقی کی اہمیت جتلاتے ہوئے تین مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ وہ شخص مومن نہیں ہے جس کے پڑوسی اس کے شر سے محفوظ و مامون نہ ہوں۔ علامہ اقبال ؒ کے زمانہ میں بین الاقوامی لڑائیاں جھگڑے نمٹانے کے لئے جمعیت اقوام بنائی گئی تھی جس کا ہیڈ کوارٹر جنیوا تھا۔ علامہ ؒ اس تنظیم کی خامیاں اور اسلام کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس دور میں اقوام کی صحبت ہوئی عام
پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدت آدم
تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملت آدم
مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام
جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم؟

اللہ کا دین صلح و آشتی، محبت و رافت، امن و سلامتی اور اصلاح و فلاح کا علمبردار آئین ہے۔

اس میں جو عبادات فرض قرار دی گئی ہیں ان سے مقصود اللہ کی محبت اور اس کی مخلوق کی خدمت کے جذبہ کو ہروقت تازہ رکھنا ہے تاکہ اولاد آدم مطلوبہ تربیت کے سانچوں میں ڈھل کر مثالی فلاحی معاشرہ قائم کرنے کے قابل بن سکے۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم کی چند آیات کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے جس سے یہ امر روشن ہو جائے گا کہ اللہ کا یہ آئین انسانوں کو کس رنگ میں رنگنا چاہتا ہے اور کیا کوئی صحیح الفطرت اور سلیم الطبع انسان اس پاک و صاف اور نفع بخش تعلیم کی افادیت سے انکار کر سکتا ہے؟

(1)۔ "نیکی کچھ یہی نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف کرلو بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر اور روز آخرت پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں کے چھڑانے میں خرچ کریں۔ اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں۔ اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں۔ اور سختی اور تکلیف میں اور معرکہ کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو ایمان میں سچے اور یہی لوگ متقین ہیں" (البقرہ۔ 177)

(2)۔ "آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ لوگو! آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں۔ یہ کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرتے رہنا اور ناداری کے اندیشے سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور انکو ہم ہی رزق دیتے ہیں اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کے پاس نہ بھٹکنا اور کسی جان والے کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا مگر جس کی شریعت اجازت دے۔ ان باتوں کا وہ تمہیں ارشاد فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے اور ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو۔ ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق اور جب کسی کی نسبت کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو گو وہ تمہارا رشتہ دار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے اور تم اسی پر چلنا۔ اور دوسرے راستوں پر

نہ چلناوہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹادیں گے۔ ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ" (الانعام۔151 تا 153)

اللہ کا دین ایک عالمگیر لائحہ عمل ہے جو بنی نوع انسان کی پوری زندگی کو اس نہج پر منظم کرنا چاہتا ہے جس سے دنیا میں امن و امان اور اکرام انسان کا دور دورہ ہو اور سائنسی اور روحانی ترقی اپنے عروج کو پہنچ جائے اور ساری ترقی کا مقصود خدمت خلق اور رضائے الٰہی کے سوا اور کچھ نہ ہو تا کہ آخرت کی حقیقی زندگی میں کامیاب ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ کی تشریف آوری سے قبل پوری دنیا اخلاقی تنزل و انحطاط کی دلدل میں ڈوبی ہوئی تھی۔ انسانوں کی خرید و فروخت کے لئے باقاعدہ منڈیاں لگتی تھیں۔ عورتوں کو انسانوں سے کم تر اور حقیر مخلوق جانا جاتا تھا اور اسے بھی اموال و اجناس کی طرح خریدا اور وراثت میں منتقل کیا جاتا تھا۔ کچھ لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ شراب جوئے لوٹ مار اور قتل و غارت جیسے کاموں پر فخر کیا جاتا تھا۔ بادشاہوں' مذہبی راہنماؤں اور قبیلوں کے سرداروں کو خدائی کا درجہ حاصل تھا۔ انسان جسے اللہ تعالیٰ نے مسجود ملائکہ بننے کا شرف عطا کیا تھا اس حد تک گر گیا کہ اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں' چاند سورج ستاروں' جنگلی جانوروں اور آگ کے سامنے سربسجود ہونے کو معراج زندگی سمجھ بیٹھا۔ پوری انسانیت تفرقات' امتیازات' توہمات اور ظلم و استحصال کے شکنجوں میں جکڑی ہوئی سسکیاں لے رہی تھی۔ حضور رحمت اللعالمین ﷺ نے آکر پورے عالم کو منور فرمادیا اور بنی نوع انسان کو ان بتوں اور جوؤں سے نجات دلائی جو مفسدین اور متکبرین نے اس کی گردن پر ڈال رکھے تھے۔ آپ نے وحدت الوہیت کے ساتھ ساتھ وحدت آدمیت کا درس دے کر انسان کی ذات کو مکرم و محترم بنا دیا۔ آپؐ نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری سال میں جب فریضہ حج ادا فرمایا تو اس وقت پورا عرب آپ کی اطاعت میں داخل ہو چکا تھا۔ اس موقع پر آپ نے کم و بیش ایک لاکھ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے خطاب کرتے ہوئے جس عالمگیر انسانی حقوق کے منشور کا اعلان فرمایا وہ رہتی دنیا تک منارہ نور بنا رہے گا۔ اس مشکوٰۃ نبوت کی چند کرنیں مختصر اقتباس کی صورت میں پیش کی جاتی ہیں۔

☆۔ لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ بھی ایک ہے۔

☆۔ کسی عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے مگر تقویٰ کے سبب سے

☆ اور ہاں تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی ان کو بھی کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔

☆۔ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ تمہارا حق عورتوں پر اور عورتوں کا حق تم پر ہے۔

☆۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان ایک برادری ہیں۔

☆۔ تمہارا خون اور تمہارا مال اور تمہاری آبرو تم پر باہم قیامت کے دن تک اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ مقدس دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے۔

مجرم اپنے جرم کا آپ خود ذمہ دار ہے۔ باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں۔

قرآن اور سائنس (چند تاریخی حقائق)

(مولانا محمد شہاب الدین ندوی)

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی بے شمار آیات کے ذریعہ اپنے پیروؤں کو نہ صرف مطالعہ کائنات کی دعوت دیتا ہے بلکہ مظاہر عالم اور ان کے نظاموں کا کھوج لگانے پر مختلف طریقوں سے ابھارتا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جدید سائنس کا داعی و علمبردار اسلام ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی مثبت اور انقلابی دعوت ہی کے باعث قرون وسطی میں اہل اسلام نے دنیا بھر کے "بچے کھچے" علمی سرمائے کو جمع کیا اور ان میں غور و خوض کر کے نئے سرے سے تمام علوم و فنون کو مدون کیا اور عملی سائنس PRACTICAL SCIENCE کی بنیاد ڈالی۔ دور اسلام سے پہلے علم کا جو کچھ بھی سرمایہ تھا وہ محض نظری THEORETICAL تھا۔ بغداد، قرطبہ، دمشق، مصر اور سسلی وغیرہ میں مسلمانوں نے بڑی بڑی یونیورسٹیاں، عظیم الشان کتب خانے، علمی اکیڈمیاں، رصد خانے اور لیبارٹریاں قائم کیں۔ علماء و فضلا اور سائنس دانوں کی خوب قدر دانی کی گئی۔ جس کے باعث علوم و فنون کی بہت ترقی ہوئی۔ حتی کہ تھوڑے ہی عرصے میں جابر بن حیان، محمد بن موسیٰ خوارزمی، ابن ہیثم، ابوالعباس فرغانی، محمد جابر بتانی، محمد بن زکریا رازی، ابن سینا، ابو ریحان بیرونی، ابن نفیس، ابو حنیفہ دینوری، عمر خیام، ابن بیطار اور ابو القاسم زاہراوری جیسے نامور سائنس داں، محققین اور موجدین پیدا ہوئے۔ بطور مثال یہاں پر صرف چند نام گنائے گئے ہیں ورنہ اگر پوری طرح چھان بین کی جائے تو مسلم ناموروں کی ایک طویل فہرست تیار ہو سکتی ہے اور ان کے کارناموں کی تفصیل کے لئے کئی دفتر درکار ہوں گے۔

قرآن کی انقلابی دعوت

اس موقع پر یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ یورپ کو سائنس کے میدان میں بام عروج تک پہنچنے کے لئے لاکھوں آدمیوں کی قربانی دینی پڑی، جو کلیسا (چرچ) اور سائنس کی کش مکش کا ایک طویل اور خونی باب ہے۔ مگر اسلام کی تاریخ اس قسم کی کسی آزمائش اور عبرتناک داستان سے آشنا نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام عیسائیت کی طرح تجربے و مشاہدے کا دشمن اور علم کا گلا گھوٹنے

والا نہیں، بلکہ علم و تجربے کو پروان چڑھانے والا تھا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی ساری ترقیاں قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کے تجربات و مشاہدات اور بلند پایہ تحقیقات کا نتیجہ تھیں، جو یونانی طرز فکر سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ لہٰذا مسلمان فکر یونان سے سیراب ہونے کے باوجود ارسطو اور دیگر حکمائے یونان کے مقلد جامد نہیں تھے بلکہ انہوں نے قرآنی فکر اور اس کے منشا کے مطابق بہت جلد تجربات و مشاہدات کا سلسلہ شروع کر کے جدید سائنس کی داغ بیل ڈالی اور ایک بالکل ہی نئے عہد کا آغاز کیا۔

قرآن کریم دنیا کا پہلا صحیفہ ہے جو غلط نظریات و مفروضات اور تقلید پرستی کی سخت مذمت کرتے ہوئے نظام کائنات سے استدلال کرتا ہے اور زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، ابر، ہوا، پہاڑ اور مختلف حیوانات و نباتات وغیرہ تمام مظاہر فطرت کا بغور مطالعہ و مشاہدہ کرنے کی پرزور انداز میں اور مختلف طریقوں سے تاکید کرتا ہے۔

ولقد جعلنا فی السماء بروجا وزیناھا للنظرین

اور ہم نے آسمان میں بہت سے بروج (کہکشائیں) بنادی ہیں اور بغور دیکھنے والوں کے لئے انہیں مزین کردیا ہے۔ (حجر۔16)

افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت ○ والی السماء کیف رفعت ○ والی الجبال کیف نصبت ○ والی الارض کیف سطحت "کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اونٹوں کی تخلیق کس طرح کی گئی ہے؟ اور آسمان کیسے اونچا اٹھایا گیا ہے؟ اور پہاڑ کس طرح (مضبوطی سے) نصب کئے گئے ہیں؟ اور زمین کس طرح (اس کی پوری گولائی میں) بچھائی گئی ہے؟ (غاشیہ 17۔20)

قل انظروا ماذا فی السموت والارض

کہہ دو کہ تم غور سے دیکھو کہ زمین اور اجرام سماوی میں کیا کیا چیزیں موجود ہیں۔ (یونس۔101)

قل سیروا فی الارض فانظروا کیف بدا الخلق

کہہ دو کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو تو سہی کہ تخلیق کی ابتدا کس طرح ہوئی ہے؟ (عنکبوت۔20)

انظروا الی ثمرہ اذا اثمر وینعہ ان فی ذلکم لایت لقوم یومنون

غور سے دیکھو (ان پیڑ پودوں کے) پھلوں کو، جب وہ پھل لانے اور پکنے لگیں۔ یقیناً اس باب میں ایمان لانے والوں کے لئے دلائل و نشانات موجود ہیں۔ (انعام۔ 99)

ان تمام آیات میں سب سے زیادہ قابل غور اور مرکزی لفظ "نظر" ہے جس کے مشتقات "انظروا" "الناظرین" اور "افلا ینظرون" ہیں۔ ماہرین لغت اور ائمہ تفسیر کی صراحت کے مطابق عربی زبان میں نظر کے معنی غور و فکر کرنے اور "نظر غائر" ڈالنے کے ہیں۔ (دیکھئے القاموس المحیط، لسان العرب اور مفردات القرآن وغیرہ) اس لحاظ سے اوپر مذکور آیات کا جائزہ لینے سے معلوم ہو گا کہ "نظر" کا دائرہ عالم جمادات، عالم نباتات، عالم حیوانات اور عالم افلاک تک تمام مرئی و محسوس چیزوں اور کل موجودات پر محیط ہے۔

یہ قرآن کریم کی ایک زبردست خصوصیت ہے کہ وہ سلبی و ایجابی دونوں حیثیتوں سے نوع انسانی کو موجودات عالم کے مطالعے و مشاہدے اور ان کے تفصیلی جائزے پر ابھارتا ہے۔ اور ان مظاہر کی ساخت و پرداخت اور ان کے نظاموں کا منظم مطالعہ کرنے نیز ان اشیاء و حوادث کے علل و اسباب کا پتہ لگا کر ایک مسبب الاسباب ہستی تک پہنچنے کی دعوت دیتا ہے اور اس اعتبار سے "یک پنت دو کاج" کے مطابق ان آیات سے بیک وقت دو مقاصد کی تکمیل مطلوب ہے۔

1۔ اسلام کے بنیادی مقاصد اور اس کے اساسی معتقدات یعنی توحید، رسالت اور یوم آخرت کا اثبات اور ان کی صداقت و حقانیت کے لئے نظام کائنات سے دلائل پیش کرنا اور منکرین حق پر اتمام حجت کرنا۔ جیسا کہ ایک دوسرے موقع پر اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔

وفی الارض ایت للموقنین ○ وفی انفسکم ط افلا تبصرون ○

اور روئے زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں موجود ہیں اور خود تمہاری اپنی ہستیوں میں بھی، کیا تم کو نظر نہیں آتا؟ (ذاریات 20-21)

2۔ اہل اسلام کو خصوصیت کے ساتھ تسخیر موجودات کی طرف راغب کرنا۔ یعنی موجودات عالم میں جو طبیعی اور حیاتیاتی فوائد۔ قوانین فطرت کے روپ میں۔ موجود ہیں ان سے استفادہ کر کے انسانی زندگی کو بہتر بنانے اور دین بر حق کے غلبے کے لئے فوجی و عسکری حیثیت سے قوت و شوکت

حاصل کرنے کی ترغیب دلانا' تاکہ اس کے ذریعہ سے خلافت ارض کے دیگر مقاصد پورے ہوں اور اقوام عالم کی اصلاح کا فریضہ بھی انجام پائے۔

غیروں کا اعتراف

حاصل یہ کہ یہ انہی آیات کا کرشمہ تھا کہ نہ صرف جدید سائنسی علوم کی باقاعدہ تدوین کی راہیں ہموار ہوئیں بلکہ عملی سائنس Practical Science کی بھی داغ بیل پڑی۔ یہ اور اس قسم کی دیگر بے شمار آیات ہی کا منطقی نتیجہ تھا کہ دوسری صدی ہجری اور مابعد کی صدیوں میں طبیعی علوم و فنون میں بے انتہاء ترقی ہوئی اور نامور حکماء اور سائنس داں پیدا ہوئے جنھوں نے اپنی بلندپایہ تحقیقات کے ذریعہ دیگر قوموں کو بھی نئی راہ دکھائی اور اس خصوص میں قرون وسطٰی کے مسلمانوں کا ایک اور قابل فخر کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے نئی تحقیق و تفتیش کے لئے اپنے دور کے قدیم علمی سرمائے کو جمع کر کے اسے ضائع ہونے سے بچالیا' جب کہ ان کی معاصر قومیں علم و تحقیق کا گلا گھوٹ رہی تھیں۔ جیسا کہ اس سلسلے میں امریکی سائنس داں جارج گیمو نے اعتراف کیا ہے۔؟

"عرب محققین نے یونانی کتابوں کو دریا برد ہونے سے بچالیا اور (آفاق عالم میں) سائنس کا پھریرا اس وقت بلند کیا جب کہ یورپ کا گلا (اہل کلیسا کے ذریعہ) روایتی اصول پرستی کے ہاتھوں گھونٹا جارہا تھا" (بیوگرافی آف فزکس صفحہ 33)

اس اعتبار سے جدید سائنس کی بنیاد اہل اسلام ہی کی ڈالی ہوئی ہے۔ اور ایسے بہت سے ایجادات و اکتشافات ہیں جن میں اولیت کا سہرا اہل یورپ کے سر نہیں بلکہ درحقیقت مسلمانوں کے سر بندھتا ہے اور اس اعتراف خود مغرب کے بعض نامور فضلاء نے بھی کیا ہے۔ مثلاً" ڈاکٹر لیبان' فان کریمر' موسیو سیدیو' ڈاکٹر جوزف ہیل اور پروفیسر فلپ حتی وغیرہ۔

اسپین چونکہ یورپ کا دروازہ تھا' اس لئے یہاں کہ علمی ترقی کا اثر یورپ کے دیگر ملکوں اور قوموں پر پڑنا لازمی تھا۔ چنانچہ فطری طور پر مسلمانوں کے افکار اور ان کے علمی و فنی ترقیوں سے متاثر ہو کر پڑوسی قوموں نے بھی ان کا اثر قبول کرنا شروع کر دیا۔ اور ان کی بلند پایہ تحقیقات و تصنیفات کے تراجم یونانی اور لاطینی زبانوں میں بکثرت ہونے لگے۔ مسلمانوں کے ان علوم و فنون

سے واقف ہو کر یورپین قومیں بھی ترقی کے میدان میں آگے بڑھنے لگیں۔ اس طرح بتدریج یورپ کی نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہوا جو چودھویں صدی سے سولھویں صدی تک کا عرصہ مانا جاتا ہے۔

پروفیسر حتی نے اس سلسلے میں بہت صفائی سے اور کھل کر اعتراف کیا ہے کہ۔

"عربوں نے (قدیم ثقافت کو) قرون وسطیٰ کے یورپ تک پہنچانے میں ایک درمیانی واسطے کا کردار ادا کیا ہے۔ یہ ان کے ذہنی اثرات ہی کا نتیجہ تھا جو مغربی دنیا کی بیداری کا باعث بنا اور بالآخر موجودہ نشاۃ ثانیہ کے لئے راہ ہموار ہوئی۔ قرون وسطیٰ میں انسانی ترقیوں کے لئے کوئی قوم عربوں اور عربی بولنے والی قوموں سے بڑھ کر معاون و مددگار نہیں بن سکی" (ہسٹری آف دی عربس صفحہ 4۔ لندن 1977)

یہی مصنف ایک دوسرے موقع پر لکھتا ہے۔

"مسلم اسپین قرون وسطیٰ میں یورپ کی ذہنی ارتقا کی تاریخ بنانے میں ایک روشن باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ آٹھویں اور تیرھویں صدی کے درمیان، جیسا کہ ہم اس سے پہلے ملاحظہ کر چکے ہیں، عربی بولنے والے ہی پوری دنیا میں تہذیب و تمدن کے مشعل بردار رہے ہیں۔ مزید براں وہی قدیم سائنس اور فلسفے کی بازیافت کا بھی واسطہ بنے۔ پھر ان علوم میں اضافہ کر کے انہیں اس طور پر منتقل کیا کہ (انہی کے باعث) مغربی یورپ کی نشاۃ ثانیہ ممکن ہو سکی۔ اس پورے عمل میں عربی اسپین کا بہت نمایاں حصہ ہے" (حوالہ مذکور، صفحہ 557)

مسلم قوموں کی موجودہ پس ماندگی کے بنیادی اسباب

یہ ایک تلخ مگر حیرت انگیز تاریخی حقیقت ہے کہ یورپ کی بیداری اور اس کا عروج جس رفتار سے ہونے لگا، اسی رفتار سے مسلم حکومتوں کا زوال بھی شروع ہو گیا اور اس کے بہت سے تاریخی اسباب و عوامل ہیں، جن میں سے ایک بنیادی سبب مسلمانوں کا سیاسی عدم استحکام ہے۔ چنانچہ اسلامی حکومتوں کے سیاسی انتشار کے باعث نہ صرف ان کی علمی ترقیاں رک گئیں بلکہ معکوس طور پر گھٹنے لگیں اور انہیں گہن لگ گیا۔ ظاہر بات ہے کہ علمی تحقیقات اور سائنسی ترقیاں مالی اعانت اور امراء و حکام کی سرپرستی چاہتے ہیں اور سیاسی طوائف الملکوکی اور انتشار کی بدولت علمی جذبات

اور ولولے سرد پڑ جاتے ہی، جب کہ محققین کی سرپرستی کرنے والا کوئی نہ رہ جائے۔ ظاہر ہے کہ اس راہ میں تحقیقات و تجربات پر روپیہ پانی کی طرح بہانا پڑتا ہے اور سالہا سال تک مسلسل اور انتھک جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ تب کہیں جاکر کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد ہوتا ہے، جیسا کہ سائنسی علوم اور ایجادات و اکتشافات کی تاریخ شاہد ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی ایک سائنس داں کسی ایک تحقیق پر سالہا سال تک مسلسل تجربات کرتا ہے مگر اسے کامیابی نہیں ہوتی لیکن اس کے بعد والے سائنس داں اسی تجربے کو آگے بڑھاتے ہیں اور کامیابی حاصل کر لیتے ہیں۔ چنانچہ سائنس میں اس قسم کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ اس اعتبار سے سائنسی تحقیقات و تجربات منظم، مسلسل اور مربوط عمل کے مقتضی ہوتے ہیں، ورنہ کامیابی مخدوش ہو جاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ جب تک کوئی حکومت مضبوط و مستحکم نہ ہو اور وہ علوم فنون کی پوری طرح سرپرستی نہ کرے، اس میدان میں قابل ذکر ترقی کرنا محال ہے اور یہ بات صرف قرون وسطیٰ ہی میں نہیں بلکہ ہردور پر صادق آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ ترقی یافتہ ممالک سائنسی تحقیقات و تجربات پر روپیہ بے تحاشا صرف کر رہے ہیں۔ تاکہ موجودہ نظریاتی کش مکش کے دور میں وہ دیگر قوموں سے زیادہ سے زیادہ ترقی کرکے ان پر غالب آسکیں۔

زوال اسپین 1492ء اور اس کے بعد حالیہ ادوار میں مسلمان فوجی اور سیاسی محاذ پر اس بری طرح پسپا اور منتشر ہوئے کہ ان کا شیرازہ اب تک برابر بکھرا ہوا ہے۔ اور آج اکثر مسلم ممالک نے اگرچہ سیاسی آزادی ضروری حاصل کرلی ہے مگر وہ فوجی اور سائنسی میدانوں میں درجہ صفر پر نظر آتے ہیں۔

بلکہ ان کی سیاسی آزادی بھی اکثر و بیشتر بڑی طاقتوں کے پاس رہن رکھی ہوئی ہے اور جب تک سیاسی اعتبار سے استحکام حاصل نہ ہو سائنسی اور فوجی میدان میں کامیابی مخدوش ہے۔ لہٰذا مسلم ممالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ داخلی استحکام پیدا کرکے ان میدانوں میں پیش رفت کرنے کے لئے طویل منصوبے بنائیں اور اس راہ میں دور اندیشی اور حکمت عملی سے کام لیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی ملک کو علمی و سائنسی اور تمدنی اعتبار سے ترقی کرنے کے لئے بنیادی طور پر تین چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ (۱) سیاسی استحکام (۲) فنی واقفیت اور (۳) مالی وسائل۔ اس

لحاظ سے آج عالم اسلام اگرچہ تیسری چیز اور کسی حد تک دوسری چیز کا بھی مالک ہے' لیکن اگر وہ کوشش کرے تو پہلی چیز پر قابو پا کر اس سلسلے کی خامیوں کو دور کر سکتا ہے۔ اصل میں تیسری چیز ہی وہ شاہ کلید ہے جس کے ذریعہ ہر چیز حاصل کر جا سکتی ہے' بشرطیکہ صحیح سمجھ بوجھ کے ساتھ کام لیا جائے اس وقت بعض مسلم ممالک فنی واقفیت رکھتے ہیں تو بعض مالی وسائل سے مالا مال ہیں۔ لہٰذا یہ دونوں اگر اشتراک باہمی کے اصول پر ایک دوسرے کی مدد کریں تو اس میدان میں خوب ترقی ہو سکتی ہے اور ہمارے تمام اجتماعی مسائل ایک ایک کر کے حل ہو سکتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ آج مسلم ممالک باہم متحد ہو کر ایک وسیع منصوبے کے تحت کام کرنے کے بجائے آپس ہی میں دست بگریباں ہو کر ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں۔ یہ بھی بڑی طاقتوں کی ریشہ دوانیاں ہیں جو مسلم ممالک کا اتحاد کسی بھی صورت میں پسند نہیں کرتیں۔ لہٰذا وہ انہیں خوب لڑا رہی ہیں تاکہ ان کی ساری توانیاں آپسی نزاع ہی میں ختم ہو جائیں اور انہیں سر اٹھانے کا موقع ہی نہ ملے۔

علمی ارتقا کا اصل محرک کیا تھا؟

ارباب فکر و دانش اس پر حیرت کرتے ہیں کہ اسلامی تاریخ کی ابتداء میں اہل اسلام نے جو بے مثال علمی و سائنسی ترقی کی اور جس ذہانت اور اعلیٰ دماغی کا ثبوت دیا' اس کا اصل سبب کیا تھا؟ پروفیسر حتی نے اس کو عربوں کی ذہانت و طباعی کے ساتھ ساتھ کچھ مخفی قوتوں اور صلاحیتوں کی کار فرمائی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ وہ لکھتا ہے:۔

"عرب مسلمانوں نے اپنی معمولی سی سائنس' فلسفہ اور ادب سے (اپنی تحقیقات کا) آغاز کیا۔ مگر چونکہ وہ ریگستان سے اپنے ساتھ ذہنی تحقیق و تجسّس کا شوق اور شدید احساس نیز علم کی گرویدگی اور اس کی حریصانہ حد تک رغبت و خواہش اور (کچھ) مخفی قوتیں اور صلاحیتیں لے کر آئے تھے اس لئے وہ بہت جلد قدیم اور مہذب اقوام کے (علمی خزانوں کے) وارث و جانشین بن گئے جن پر وہ یا تو غالب آ گئے تھے یا جن سے ان کا سابقہ پڑا تھا" (ہسٹری آف دی عربس صفحہ 306)

مگر سوال یہ ہے کہ صلاحیت اور یہ اعلیٰ دماغی ان میں کہاں سے آئی؟ اور ان کی مخفی قوتوں کو کس نے بیدار کیا اور انہیں کس نے جلا بخشی؟ کیا اس موقع پر سوائے قرآن عظیم کے کوئی دوسرا قوی محرک پایا بھی جاتا ہے' جس نے اپنی بے شمار آیات کے ذریعہ نہایت درجہ موثر اور طاقتور انداز

میں ایک سوئی ہوئی قوم کو بیدار کر کے اس کو مطالعہ فطرت اور اس کے رازوں کو بے نقاب کرنے پر آمادہ کر دیا؟ اور علم و تحقیق کی ایسی سچی تڑپ اور لگن پیدا کر دی جس کے باعث انہوں نے تفصیلی معلومات حاصل کرنے کی خاطر علم و فن کے ہر ہر دروازے کو کھٹکھٹانا شروع کر دیا اور وہ ایک پیاسے کی طرح مختلف سرچشموں پر بے تابانہ ٹوٹ پڑے۔

مورخین نے مسلمانوں کے علوم و فنون کی طرف راغب ہونے کے بہت سے اسباب بیان کئے ہیں جو ثانوی درجے کے ہیں اور بعض نے ارسطو سے متعلق مامون کا ایک خواب بھی بیان کیا ہے جو بڑا مضحکہ خیز ہے۔ اصل اور بنیادی سبب یہ تھا کہ قرآن عظیم نے فکری اور نظریاتی اعتبار سے اہل اسلام کی ذہن سازی اس انداز میں کر دی تھی اور ان میں روشن دماغی اور وسعت نظری کی ایسی روح بھر دی تھی کہ وہ پورے بین الاقوامی سرمایہ علم پر قبضہ کر کے اس میں جدت و اجتہاد کے نئے گل و گلزار پیدا کر سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے ہر علم و فن کو ایک متاع گرانمایہ کی طرح اپنے سینے سے لگایا اور جہاں سے بھی انہیں علم و حکمت کی بات ملی اس کو حاصل کیا۔ گویا کہ وہ اس کے لئے بالکل تیار اور پوری طرح مستعد تھے' بلکہ انتظار میں تھے۔

اس حیثیت سے دیکھا جائے تو قرآن عظیم پورے عالمی لٹریچر میں ایک منفرد اور عظیم الشان صحیفہ دکھائی دیتا ہے۔ یہ قرآن ہی کا عطیہ اور اس کی زبردست کارفرمائی تھی کہ ریگزار عرب کے بدو اور اونٹ چرانے والے ایک قلیل عرصے میں انتہائی سرعت اور برق رفتاری کے ساتھ پوری مہذب دنیا پر چھا گئے اور رومی' ایرانی' سریانی' ہندی اور یونانی علوم کے مالک بن بیٹھے۔ حتی نے بالکل صحیح اعتراف کیا ہے۔

"(عباسی) دور وقائع عالم میں اس حیثیت سے نہایت ممتاز اور نمایاں ہے کہ اس دور نے اسلام کی تاریخ میں ایک مہتمم بالشان اور افکار و ثقافت کی پوری تاریخ میں بہت ہی اہم اور وقیع ذہنی بیداری کا مشاہدہ کیا۔۔۔۔ صرف چند دہوں میں عرب فضلاء نے وہ سب کچھ اپنا لیا جس کو فروغ دینے میں یونانیوں نے صدیاں لگا دی تھیں" (ہسٹری آف دی عربس' صفحہ 306-307)

آخری بات

خلاصہ بحث یہ کہ اسلام کا ابدی اور سدا بہار صحیفہ آج ملت اسلامیہ کو بالکل اسی طرح بیدار کر

کے اس کی رہنمائی کر سکتا ہے جس طرح کہ اس نے چودہ سو سال قبل عرب کی سوئی ہوئی قوم کو جھنجھوڑ کر اس کی مخفی قوتوں کو بیدار کر دیا تھا۔ بلکہ ایک حیثیت سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ آغاز اسلام کے عربوں اور موجودہ پس ماندہ مسلمانوں میں یک گونہ مشابہت بھی پائی جا رہی ہے۔ موجودہ دور میں اہل اسلام کی عددی کثرت کے باوجود ان کی ذہنی و فکری قوتوں میں بظاہر پس ماندگی نظر آتی ہے۔ مگر درحقیقت ان کی مخفی صلاحیتیں خفتہ ہیں۔ جنہیں قرآن حکیم کے طاقتور جھٹکوں کے ذریعہ بیدار اور برانگیختہ کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر ہمارا بچھڑا ہوا کارواں بھی انشاء اللہ دوبارہ علم کے قافلے سے جا ملے گا۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ مذہب سے مکمل برگشتگی کی بنا پر عمل میں آئی تھی۔ کیونکہ عیسائی مذہب کوتاہ نظری کے باعث علمی و سائنسی ترقیوں کا ساتھ نہیں دے سکا تھا۔ بلکہ ان سرگرمیوں کو خلاف مذہب قرار دے کر انہیں روکنے کی پوری پوری کوشش کی اور لوگوں کو سخت سزائیں دیں۔ اس غلط رویہ اور غلط رد عمل کے باعث جو خوفناک نتائج رونما ہوئے اس سے پورا عالم انسانی آج تک دوچار ہے۔ مگر اسلام کا معاملہ اس کے برعکس واقع ہوا ہے۔ وہ نہ صرف اپنے پیروؤں کو مظاہر کائنات کے مطالعے اور ان کی تسخیر کی دعوت دیتا ہے بلکہ خود دین و ملت کی حفاظت کے لئے مادی میدان میں ترقی کرنا بھی ضروری قرار دیتا ہے۔ اس اعتبار سے ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ مذہب سے برگشتہ ہو کر نہیں بلکہ مذہب اسلام کے ابدی سائے میں اور اسلام ہی کی سربلندی کی خاطر مطلوب و مقصود ہے۔

نیز یہ خیال بھی دل سے نکال دینا چاہئے کہ مسلم قوموں میں ایجاد و اختراع کا مادہ اور تخلیقی صلاحیت نہیں ہے، جس طرح کہ ہمیں مغربی قوموں میں نظر آتی ہے۔ اگر صحیح خطوط پر کام کیا جائے تو آج بھی ہماری ملت میں جابر بن حیان، محمد بن موسیٰ خوارزمی، محمد بن زکریا رازی، ابن ہیثم، البیرونی، ابن سینا، بتانی، ابن نفیس اور ابو حنیفہ دینوری جیسے (زبردست سائنس دان اور محققین و موجدین پیدا ہو سکتے ہیں، جن کا مرتبہ گلیلو، کپلر، نیوٹن، جان ڈالٹن، آئن سٹائن، پلانک اور ردر فورڈ وغیرہ وغیرہ سے بھی کسی بھی طرح کم نہیں بلکہ کئی حیثیتوں سے ان سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔

(دل زندہ) اقبال کی نظر میں

(عبدالرشید ساہی)

شعر نمبر1

دل بیدار فاروقی' دل بیدار کراری
مس آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں اگر دل بیدار ہو جائے تو انسان کے اندار شان فاروقی اور شان کراری پیدا ہو جائے گی انسان کو اگر تانبا فرض کر لیا جائے تو دل کی بیداری اس کے حق میں بمنزلہ کیمیا ہے جو تابنے کو سونا بنا دیتی ہے دیکھنا یہ ہے کہ دل بیدار کس طرح ہو سکتا ہے دل کی بیداری یا زندگی عشق رسول ﷺ پر موقوف ہے اور عاشقی کا فن کسی عاشق صادق یعنی مرشد کامل کی صحبت سے حاصل ہو سکتا ہے اور کوئی صورت نہیں ہے مثلاً" کتابوں کے مطالعہ سے تقریروں سے رسائل کی ایڈیٹری یا لیڈری سے کوئی شخص اپنی دل کو بیدار نہیں کر سکتا سرکار دو عالم ﷺ کے زمانہ مبارکہ سے ہمارے زمانہ تک دل کی بیداری کا صرف ایک ہی طریقہ چلا آرہا ہے اور وہ یہ ہے کہ

عشق کیا شے ہے؟ کسی کامل سے پوچھا چاہیے
کس طرح جاتا ہے دل؟ بیدل سے پوچھا چاہیے

اپنے دل کو بیدار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس کا دل بیدار ہو چکا ہو اس شخص سے رابطہ تصوف کی اصطلاح میں اسے صحبت شیخ کہتے ہیں یا اپنے دل کو روحانی تار کے ذریعہ سے اس کے دل کے ساتھ جوڑ لو تا کہ پاور ہاؤس (قلب محمدی ﷺ) سے ایک کرنٹ تمہارے اندر بھی دوڑنے لگے بس اس کرنٹ سے دل بیدار ہو جاتا ہے اگر یہ صحیح ہے کہ کنکشن کے بغیر گھر میں یا کمرہ میں بلب روشن نہیں ہو سکتا تو روحانی رابطہ کے بغیر سینہ میں دل بھی روشن نہیں ہو سکتا۔

شیخ مکتب کے طریقوں سے کشاد دل کہاں
کس طرح قیبردسے روشن ہو بجلی کا چراغ

اگر پاور ہاؤس سے کنکشن منقطع ہو جائے تو ساری کی ساری بستی اندھیرے میں ڈوب جائے

جیسے آج مسلمان قوم کے ساتھ ہو رہا ہے مسلمانانِ عالم پر ذلت اور رسوائی اسی لئے چھائی ہوئی ہے کہ ہمارا کنکشن مدینہ منورہ سے کٹ چکا ہے ہم نے فرمان رسول ﷺ پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے ہم نے اپنے اصل خدا سے تعلق توڑ کر امریکہ اور برطانیہ سے تعلق بنا لئے ہیں۔ یہی تو ہماری ذلت کا سبب ہے علامہ فرماتے ہیں۔

بتوں سے امیدیں تجھ کو خدا سے نو امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

مسلمانوں ہوش کے ناخن لو ابھی بھی وقت ہے قرآن حکیم کو امام بنا لو اور رسول ہاشمی ﷺ کو اپنے من میں بسا لو تو آج بھی انقلاب عظیم پیدا ہو سکتا ہے یعنی دل بیدار ہو سکتا ہے کیا مسلمان اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ عمر بن خطاب ؓ میں فاروقی شان کب پیدا ہوئی جب انہوں نے اپنے آپ کو پیارے رسول ﷺ کی محبت میں فنا کر دیا اس کے بعد ہی اونٹ چروانے والا عمر ؓ چھبیس لاکھ مربع میل کی سلطنت کا حکمران بنا۔

شعر نمبر 2

دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری، نہ میری ضرب ہے کاری

علامہ فرماتے ہیں مسلمان فلسفہ کی منطق چھوڑ کر اپنے دل کو بیدار کر کیونکہ جب تک دل بیدار نہ ہو جائے جہاد نہیں ہو سکتا اور جو مسلمان جہاد نہیں کر سکتا وہ مقصد حیات حاصل نہیں کر سکتا اور جو مقصد حیات حاصل نہیں کر سکتا اس انسان کا عدم اور وجود دونوں یکساں ہیں حقیقت کو کبھی بھی چھپایا نہیں جا سکتا۔ آج کے دور میں مجاہدین اسلام کو دہشت گرد کہا جا رہا ہے اور ان الفاظ کی آڑ لے کر مسلمانوں کو دنیا سے مٹانے کی کاوشیں ہو رہی ہیں۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ ہو تو دہشت گردی لیکن اسرائیل روزانہ نہتے فلسطینیوں کے گھربار روندتا رہے تو کوئی الفاظ سے مذمت کرنا بھی گوارا نہیں کرتا مکار بنیا کشمیر میں لاکھوں گھر برباد کر چکا ہے کوئی آنکھ نم نہیں ہوئی افغانستان کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا گیا مگر دنیا پر سکوت طاری ہے ہر انصاف پسند کہلوانے والا دم سادھ کر خاموش بیٹھا ہے۔

ہندوستان میں حال ہی میں مسلمانوں کی بستیاں جلائی جا رہی ہیں نہتے اور مجبور و بے بس مسلمانوں کو ہندوستانی امن کے محافظوں کے سامنے ذبح کیا جارہا ہے کوئی پوچھنے والا نہیں "یہ ہوتا ہے زندہ اور مردہ قوموں کی پہچان کا معیار" زندہ قوم کا ایک فرد اغواء ہوا تو حکومتیں ہل گئیں تمام ملکی ایجنسیاں محرک ہو گئیں لیکن مردہ قوم کے ہزاروں بے گناہ افراد بحری جہازوں پر لاد کر کیوبا کے جزیروں پر تشدد کے لئے محض اس لئے لے جائے گے کہ وہ مسلمان تھے مگران کو کسی نے ایک مرتبہ بھی یاد نہیں کیا اور نہ امریکی بھیڑیوں سے پوچھا ہے کہ انکو کس جرم کی سزادی جا رہی ہے۔

شعر نمبر3

مشام تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشاں اس کا
ظن و تخمین سے ہاتھ آتا نہیں آ ہوے تاتاری

علامہ فرماتے ہیں عشق خواہ مجازی ہو یا حقیقی اس کی بنیاد یقین پر ہے اس کو شرعی اصطلاح میں ایمان کہتے ہیں جب تک عاشق کو یہ یقین نہ ہو کہ میرا محبوب حسن و جمال ظاہری کے اعتبار سے سارے عالم میں یکتا ہے وہ اس سے محبت نہیں کر سکتا اسی طرح جب تک ایک مسلمان کو اس بات کا یقین کامل نہ ہو کہ سرکار دو عالم ﷺ حسن و جمال باطنی (نبوت و رسالت) میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں اور سب حسینوں (انبیاء) کے سرتاج ہیں اور آپ ﷺ کی ذات منبع کمالات ہے وہ آپ ﷺ سے محبت نہیں کر سکتا پس اگر مسلمان حضور اکرم ﷺ کی محبت کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو انہیں سب سے پہلے اپنے دل میں اس بات کا یقین پیدا کرنا چاہیے کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپ ﷺ کی اتباع سے مجھ کو بلا شبہ اللہ کی خوشنودی حاصل ہو جائے گی ان دونوں باتوں میں کسی قسم کا شک و شبہ دل میں نہ آنے پائے کیونکہ شک یقین کی ضد ہے اگر دل میں شک ہے تو یقین ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا اور یقین کے بغیر سرور دو عالم ﷺ کی اتباع نہیں ہو سکتی اور اللہ کی رضا اتباع رسول ﷺ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور اگر خدا راضی نہ ہوا زندگی اکارت چلی جائے گی۔

کی محمدؐ سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

شعر نمبر4

خداوند یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں اے رب کریم یہ تیرے سادہ لوح بندے بڑی مصیبت میں گرفتار ہیں کیونکہ آج کل درویشی میں بھی بڑا فریب ہے اور سلطانی بھی مکرو فریب سے بھری پڑی ہے اور مسلمان چونکہ جاہل ہیں اس لئے موجودہ صورت حال کا مقابلہ نہیں کر سکتے عیاری اور مکاری کا جواب وہی شخص دے سکتا ہے جو نہایت ہوشیار چالاک اور حالات سے پوری طرح باخبر ہو لیکن مسلمان ان تمام صفات سے محروم ہیں اس لئے میں ان کے مستقبل کی طرف سے بہت پریشان ہوں۔

موجودہ حالات کے مطابق علامہ نے بروقت نشاندہی کر دی کہ جاہل پیر سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینے میں بڑے سرگرم ہیں تعویذ گنڈوں اور جھاڑ پھونک سے لوگوں کو اپنا قائل کر رکھا ہے اور دولت و عزت لوٹنے میں پیش ہیں یہ صرف اور صرف لوگوں میں لاعلمی اور مذہب سے دوری کا نتیجہ ہے ایک اہل علم خوب جان لیتا ہے کہ زندگی میں تمام قسم کے نفع و نقصان کا مالک اللہ کی ذات ہے اس کی مرضی و منشاء کے بغیر کوئی کسی کا بال بھی نہیں توڑ سکتا اور اگر خدا کی ذات گرامی کسی کو کوئی چیز عنایت نہ کرنا چاہے تو ساری دنیا بھی ہزار کوشش کے باوجود کسی کو وہ چیز عنایت نہیں کر سکتی اور دوسری طرف آج کل کے صاحب اقتدار انسان بھی مخلوق خدا کو فریب دیتے رہتے ہیں کوئی لوگوں کو روٹی کپڑا اور مکان الاٹ کرنے کے پر فریب دعوؤں سے بہلا رہا ہوتا ہے تو کوئی انصاف دہلیز پر پہنچانے کا جھوٹا دعویٰ دار ہوتا ہے حالانکہ عدلیہ نام کا کوئی شعبہ بھی اپنی ذمہ داری کو محسوس نہیں کر رہا ہر طرف مظلوم ہی پٹ رہا ہے جنگل کا قانون نافذ ہے جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ انصاف چاہنے والے عدلیہ کے دروازوں پر آنے جانے میں زندگیاں صرف کر دیتے ہیں مگر انصاف ندارد ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ مقدمات کا طریقہ کار اتنا پیچیدہ ہے کہ مدعی تھک ہار جاتا ہے لیکن مقدمہ کا فیصلہ ہونے کا وقت نہیں آتا بلکہ مظلوم کا وقت اجل ہی آجاتا ہے۔

شعر نمبر5

مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی

کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

علامہ اقبال نے نہایت حسین انداز میں معاشرتی نقائص کی نشاندہی کی ہے فرماتے ہیں تہذیب حاضر سے مراد یورپ کی وہ تہذیب ہے جس کی بنیاد مادیت اور انکار خدا پر رکھی گئی ہے چونکہ یہ تہذیب اسلام کی روح کے خلاف ہی اس لئے علامہ اس کی سخت مخالف ہیں کہتے ہیں تہذیب مغرب نے جو آزادی مسلمانوں کی عطا کی ہے وہ ظاہر میں تو آزادی ہے لیکن باطن میں گرفتاری ہے یعنی اس تہذیب نے ہر برے کام کی آزادی دے رکھی ہے اسلام جن باتوں سے منع کرتا ہے یہ تہذیب ان تمام کاموں کو جائز ہی نہیں بلکہ ترقی کا معیار قرار دیتی ہے۔ مثلاً" شریعت نے عورتوں کو پردہ کا حکم دیا ہے لیکن مغربی تہذیب بے حجابی کا حکم دیتی ہے اس تہذیب سے انسان آزاد نہیں ہوتا بلکہ نفسانی خواہشوں کا غلام ہو جاتا ہے اس ذلیل تہذیب نے انسانی خواہشوں کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ جائز وسائل سے ان کو پورا کرنا ناممکن ہے اسی وجہ سے معاشرہ میں بددیانتی' رشوت اور فراڈ جیسی لعنتوں نے جنم لے رکھا ہے اور انسان ہی انسان کا شکار کر رہا ہے بھائی ہی اپنے بھائی کا خون پی رہا ہے معاشرہ میں کسی کی عزت و عصمت محفوظ نہیں ہے انتہائی ستم کی بات یہ ہے کہ ان سب برائیوں کو قانونی تحفظ بھی حاصل ہے آجکل ہر دیہات اور ہر قریہ و شہر میں بسنت منائی جا رہی ہے اور اس بے حیاء کام پر لاکھوں' کروڑوں کا سرمایہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے لیکن کوئی روکنے والا نہیں کسی کی غیرت نہیں جاگ رہی کہ اس بے مقصد کام پر پابندی لگائی جائے جس کی وجہ سے صرف سرمایہ ہی نہیں بلکہ کئی جانیں ضائع ہو رہی ہیں کئی بچے اپاہج ہو رہے ہیں میرے خیال میں قوم بے سنتی ہو رہی ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اگر کسی فحش حرکت پر کسی کی رگ حمیت پھڑکتی ہے تو اس کو الٹا بنیاد پرستی کا طعنہ دیا جاتا ہے یاد رکھو حق کہنے والے حق بات کہتے رہیں گے ان کو آج تک نہ کوئی روک سکا ہے اور نہ ہی روک

سکے گا۔

شعر نمبر 6

تو اے مولا یثرب ﷺ آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی میرا ایمان ہے زناری

چونکہ اقبال اپنی قوم کی کمزوریوں سے واقف ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ قوم تنزل کے اس درجہ پر پہنچ چکی ہے جہاں اصلاح حال کا امکان باقی نہیں رہتا جیسا کہ نظر آرہا ہے اس لئے وہ بے اختیار ہو کر نبی مکرم ﷺ سے التجا کرتے ہیں کہ حضور ﷺ آپ کی قوم کی حالت یہ ہے کہ دانش تو فرنگی ہو چکی ہے اور ایمان زناری ہو چکا ہے مسلمانوں کا معیار حسن و قبح ہی بدل چکا ہے وہ اب اس بات کو اچھا سمجھتے ہیں جسے تہذیب مغرب اچھا قرار دیتی ہے حالانکہ اچھا وہ ہے جسے سرور دو عالم ﷺ اچھا قرار دیں اندریں حالات ان کی اصلاح کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے کہ آپ ﷺ خود اپنی قوم کی دستگیری اور چارہ سازی فرمائیں افسوس صد افسوس کفار و مشرکین مسلمانوں کو مٹانے کے لئے تمام جنگی سازو سامان کے ساتھ ہماری سرحدوں پر کھڑا ہے اور ہم کہ اپنے دفاع سے غافل فضولیات میں پڑے ہوئے ہیں۔ پتنگیں اڑا رہے ہیں۔ تھیٹروں میں داد عیش دے رہے ہیں۔ رقص سے دل بہلا رہے ہیں۔ طبلہ و ساز کی آواز سے اپنے غم غلط کرنے کی سعی کر رہے ہیں غیروں سے اپنوں کو مروا کر خوش ہو رہے ہیں۔

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندہ صحرائی یا مرد کہستانی
آ تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول ' طاؤس و رباب آخر

رب کریم آپ ہی اپنے کرم سے ہمارا قبلہ درست فرمادیں اور ہمیں راہ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

اسلامی تہذیب کا نصب العین اور اسکی خصوصیات

(سید ابو الاعلیٰ مودودی)

اس بحث کے آغاز ہی میں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ نصب العین کا سوال درحقیقت تصور حیات کے سوال سے ایک گہرا تعلق رکھتا ہے۔ ہم دنیوی زندگی کے متعلق جو تصور رکھتے ہیں اور دنیا میں اپنی حیثیت اور اپنے لئے دنیا کی حیثیت کا جو نظریہ ہمارے ذہن میں ہے' وہی فطری طور پر زندگی کا ایک نصب العین پیدا کر دیتا ہے اور ہم اپنی تمام قوتیں اسی نصب العین کے تحقق کی راہ میں صرف کرنے لگتے ہیں۔ اگر دنیا کو ہم اپنے لئے ایک چراگاہ تصور کرتے ہیں اور ہمارے ذہن میں زندگی عبارت ہے ایک مہلت سے جو ہم کو کھانے پینے اور لذات دنیا سے متمتع ہونے کے لئے ملی ہوئی ہے' تو بلا شبہ یہ حیوانی تصور ہمارے نفس میں زندگی کا ایک حیوانی نصب العین راسخ کر دے گا اور ہم تمام عمر اپنے لئے حسی لذتوں کے سامان فراہم کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ بخلاف اسکے اگر ہم نے اپنے آپ کو پیدائشی مجرم اور فطری گنہگار سمجھا ہے اور دنیا کے متعلق ہمارا تصور یہ ہے کہ یہ کوئی عقوبت خانہ اور عذاب کا گھر ہے جہاں اپنے اس پیدائشی جرم کی سزا بھگتنے کے لئے ہم پھینک دیئے گئے ہیں' تو قدرتی طور پر یہ تصور ہمارے نفس میں اس عذاب سے رہائی حاصل کرنے کی خواہش پیدا کرے گا اور اس بنیاد پر ہم نجات کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیں گے۔ لیکن اگر دنیا کے متعلق ہمارا تصور چراگاہ اور دارالعذاب دونوں سے برتر ہو اور انسان ہونے کی حیثیت سے ہم اپنے آپکو حیوان اور مجرم دونوں سے زیادہ ارفع و اعلیٰ سمجھے ہوں تو یقیناً" ہمارے نفس کو مادی لذات کی طلب اور نجات کے حصول دونوں سے زیادہ بلند نصیب العین کی تلاش ہو گی اور کسی پست اور ادنیٰ مطمح نظر پر ہماری نگاہ نہ ٹھرے گی۔

اس قاعدہ کو پیش نظر رکھ کر جب آپ دیکھیں گے کہ اسلام نے انسان کو خدا کا خلیفہ اور روئے زمین پر اس کا نائب قرار دیا ہے تو اس تصور حیات سے جو نصیب العین فطری طور پر پیدا ہو سکتا ہے اور ہونا چاہئے اس تک آپ کی عقل خود بخود پہنچ جائے گی۔ ایک نائب کا بحثیت نائب ہونے کے اس کے سوا اور کیا نصب العین ہونا چاہئے کہ وہ جس کا نائب ہے اس کی رضا اور

خوشنودی حاصل کرے اور اس کی نظر میں ایک اچھا' وفادار' متدین اور فرض شناس ملازم قرار پائے؟ اگر وہ کوئی سچا اور نیک نیت آدمی ہے تو کیا وہ اپنے آقا کی خدمت بجالانے میں اس کی رضا جوئی کے سوا کسی اور چیز کو اپنا مقصود بنا سکتا ہے؟ کیا وہ اپنا فرض اس لئے بجالائے گا کہ اس کے معاوضہ میں اس کو کسی نفع کی طمع اور کسی ترقی یا انعام یا اضافہ مناصب یا جاہ و منزلت کی زیادتی کا لالچ ہے؟ یہ دوسری بات ہے کہ آقا اس سے خوش ہو کر اسے یہ سب کچھ عطا کر دے' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آقا اس کو حسن خدمت کے صلہ میں ان چیزوں کے بخش دینے کی امید دلائے' اور اس میں بھی مضائقہ نہیں کہ خود اس کو یہ علم ہو کہ اگر میں نے ٹھیک طور سے فرائض انجام دے کر اپنے آقا کو خوش کر دیا تو وہ مجھے یہ انعام دے گا۔ لیکن اگر اس نے انعام کو اپنا مقصود بنا لیا اور اپنے فرائض منفعت کی خاطر انجام دیئے تو کیا کوئی دانشمند ایسے ملازم کو ایک فرض شناس ملازم کہہ سکتا ہے۔ اسی مثال پر خدا اور اس کے نائب کو قیاس کر لیجئے اگر انسان روئے زمین پر خدا کا نائب ہے تو اس کی زندگی کا نصب العین خدا کی رضاجوئی اور اس کی خوشنودی کے حصول کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ یہ وہ نصیب العین ہو اس تصور حیات سے خود عقل اور فطرت پیدا کرتی ہے اور کسی ادنی فرق کے بغیر ٹھیک یہی نصب العین ہے جو اسلام نے انسان کے سامنے پیش کیا ہے۔ قرآن مجید کے ارشادات کا تتبع کرنے سے آپ کو معلوم ہو گا کہ طرح طرح سے اسی ایک نصب العین کو ذہن نشین کرنے اور قلب و روح میں بٹھا دینے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کے سوا ہر دوسرے مطمح نظر کا پورے زور کے ساتھ ابطال کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ۔

قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لا شریک له وبذلک امرت وانا اول المسلمین (الانعام۔ 20)

"اے پیغمبر ﷺ کہد یجئے کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اس کے آگے سر جھکانے والا ہوں"

ان الله اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنته یقاتلون فی سبیل

الله فیقتلون و یقتلون .... فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم به وذالک هوالفوز العظیم ○

(التوبہ۔14)

"اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لئے ہیں جن کے معاوضہ میں ان کے لئے جنت ہے۔ وہ اللہ راہ میں جنگ کرتے ہیں' مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں۔ پس اس سودے پر جو تم نے (اپنے خدا سے) کیا ہے خوشی مناؤ حقیقت میں یہی بڑی کامیابی ہے"

سورہ بقرہ میں نافرمان اور فرمانبردار بندے کا فرق بتاتے ہوئے فرمانبردار بندے کی تعریف یہ کی ہے کہ۔

ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله والله رووف بالعباد (البقرہ۔65)

"اور لوگوں میں سے ایک وہ ہے جو اپنی جان کو اللہ کی خوشنودی کی خاطر بیچ دیتا ہے' اور اللہ اپنے بندوں پر شفقت کرنے والا ہے"

سورہ فتح میں مسلمانوں کی تعریف ہی یہ کی گئی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن دوستی اور دشمنی اور جن کا رکوع و سجود سب کچھ اللہ کے لئے ہے۔

محمد رسول الله والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم تراهم رکعا سجدا یبتغون فضلا من الله ورضوانا۔ (رکوع۔4)

"محمد ﷺ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں اور جو لوگ انکے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔ تم ہمیشہ ان کو رکوع و سجود کرتے ہوئے دیکھے ہو۔ یہ لوگ اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں"

سورہ محمد ﷺ میں کافروں کے اعمال ضائع ہونے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ خدا کے لئے کچھ نہیں کرتے بلکہ دوسری اغرض کے لئے عمل کر کے خدا کی ناخوشی مول لیتے ہیں۔

ذلک بانهم اتبعوا ما اسخط الله وکرهوا رضوانه فاحبط اعمالهم (رکوع۔۳)

"ان پر مار اس لئے پڑے گی کہ انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جس نے خدا کو ناخوش کر دیا اور انہوں نے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کو پسند نہ کیا۔ اس لئے اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر

دیئے"

سورہ حج میں خدا کی ایسی عبادت کو جو دنیاوی فوائد کی خاطر ہو قطعا" بے کار اور موجب نامرادی قرار دیا گیا ہے۔

ومن الناس من یعبد الله علی حرف فان اصابه خیر اطمان به وان اصابته فتنته انقلب علی وجهه خسر الدنیا والاخرة ذلک هوالخسران المبین (رکوع 2)

"اور لوگوں میں سے ایک وہ ہے جو اللہ کی عبادت اکھڑے دل سے کرتا ہے۔ اگر اس کو کوئی فائدہ پہنچ گیا تو اس سے مطمئن ہو گیا اور اگر کوئی آزمائش کا وقت آگیا تو الٹا پھر گیا۔ ایسا شخص دنیا اور آخرت دونوں میں نامراد ہوا۔ اور یہی صریح گھاٹا ہے"

سورہ بقر میں بتایا گیا ہے کہ جو خیرات لوگوں کو دکھانے کے لئے کی جائے اور جس مال کو دے کر آدمی احسان جتائے وہ باطل ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک چٹان پر تھوڑی سی مٹی پڑی تھی، تم نے اس میں بیج بویا، مگر پانی کا سیلاب آیا اور اس کو بہا لے گیا۔ بخلاف اس کے جو خیرات ثبات نفس کے ساتھ خاص خدا کی خوشنودی کے لئے کیجائے اس کی مثال ایسے باغ کی سی ہے جس پر اگر خوب بارش ہو تو دو چند پھل لائے اور اگر زور کی بارش نہ ہو تب بھی ہلکی سی پھوہار ہی اس کے پھلنے پھولنے کے لئے کافی ہو جائے۔ (رکوع 36)

اس بات کو مختلف مقامات پر مختلف پیرایوں سمجھایا گیا ہے کہ تم جو نیک عمل بھی کرو صرف خدا کی خوشنودی کے لئے کرو اور اس سے بھی کوئی اور غرض نہ رکھو۔

وما تنفقوا من خیر فلانفسکم وما تنفقون الا ابتغاء وجه الله (البقرہ 37)

"تم جو کچھ بھی خیرات کی مد میں خرچ کرو گے اس کا فائدہ تمہارے ہی لئے ہے اور جو کچھ بھی تم خرچ کرتے ہو صرف خدا ہی کی رضاجوئی کے لئے کرتے ہو"

والذین صبروا ابتغاء وجه ربهم واقاموا الصلوة وانفقوا مما رزقنهم سرا و علانیه ویدرون بالحسنه السیته اولیک لهم عقبی الدار (الرعد۔ 3)

"اور جن لوگوں نے اپنے رب کی رضاجوئی کے لئے صبر کیا اور نماز قائم کی اور جو کچھ ہم نے

ان کو روزی عطا کی تھی اس میں سے پوشیدہ یا ظاہر خرچ کیا اور جو لوگ نیکی سے بدی کو دفع کرتے ہیں۔ آخرت کا گھر ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے"

وسیجنبها الاتقی الذی یوتی ماله یتزکی ومالاحد عنده من نعمته تجزی الا ابتغاء وجه ربه الاعلی ولسوف یرضی (اللیل)

"اور عذاب نار سے وہ بڑا پرہیز گار بچ جائے گا جو پاکیزگی نفس کے ساتھ اپنا مال دیتا ہے۔ اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو بلکہ وہ صرف بالا و برتر پروردگار کی خوشنودی چاہتا ہے اور ضرور وہ راضی ہو جائے گا"

فات ذا القربی حقه والمسکین وابن السبیل ذلک خیر للذین یریدون وجه الله واولئک هم المفلحون (الروم-4)

"پس تو اپنے رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو (اس کا حق) یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لئے یہ خوشنودی الٰہی چاہتے ہوں اور حقیقت میں وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"

وما اتیتم من زکوۃ تریدون وجه الله فاولئک هم المضعفون (الروم-4)

"جو زکوۃ تم نے دی اور اس سے تم صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہو تو جو لوگ ایسا کر رہے ہیں وہی اپنے دیئے کو دوگنا چوگنا کر رہے ہیں"

ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا ویتیما واسیرا- انما نطعمکم لوجه الله لانرید منکم جزاء ولا شکورا- انا نخاف من ربنا یوما عبوسا قطریرا- فوقهم الله شر ذلک الیوم ولقهم نضرۃ وسرورا- (الدھر-1)

"اور اللہ کی محبت کی خاطر مسکین اور یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تم کو خدا کے لئے کھلا رہے ہیں۔ ہم تم سے نہ کوئی جزا چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔ ہم کو تو اپنے رب سے اس دن کا خوف لگا ہوا ہے جب لوگوں کے منہ بنے ہوئے ہوں گے اور ان کے چہروں پر شکنیں پڑ جائیں گی۔ پس اللہ نے ان کو اس دن کے شر سے بچا لیا اور ان کو تازہ روئی اور خوش حالی سے ہم آغوش کر دیا"

للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله اولئک هم الصدقون (الحشر-1)

"فے میں ان غریب لوگوں کا حصہ بھی ہے۔ جنھوں نے ہجرت کی ہے اور جو اپنے گھروں اور جائدادوں سے نکالے گئے ہیں (اور جنھوں نے یہ سب کچھ اس لئے قبول کیا ہے کہ) وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کے کام آتے ہیں' حقیقت میں یہی لوگ سچے ہیں"

ان الله یحب الذین یقاتلون فی سبیله صفا کالهم بنیان مرصوص (الصف-1)

"اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں"

الذین امنوا یقاتلون فی سبیل الله والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت (النساء 10)

"جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ ظلم و سرکشی کی خاطر لڑتے ہیں"

اس تمام تعلیم کو صاحب جوامع الکلم محمد مصطفیٰ ﷺ نے ایک جملہ میں ادا فرمایا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ایسا قاعدہ کلیہ بیان فرمادیا ہے جو تمام معاملات اور عبادات پر پوری طرح حاوی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

ان الله لا یقبل من العمل الا ما کان له خالصا وابتغی به وجهه۔

"اللہ صرف وہی عمل قبول کرتا ہے جو خالصاً اس کے لئے کیا جائے اور جس سے محض اس کی رضاجوئی مقصود ہو"

اس بحث یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام نے ہر قسم کی دنیوی اور اخروی اغراض کو چھوڑ کر ایک چیز کو زندگی کا نصب العین اور انسان کی تمام کوششوں کا مقصود اور تمام ارادوں اور نیتوں کی غایت الغایات قرار دیا ہے اور وہ چیز اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کا حصول ہے۔

مقامات علم و مستی احوال

(کے۔ایم۔اعظم)

ایک بار فلسفی و حکیم ابو علی ابن سینا اور صاحب حال صوفی ابو سعید بن ابی الخیر کے درمیان ایک تین روزہ مجلسی صحبت ہوئی۔ جب ابن سینا وہاں سے رخصت ہوئے تو ان کے شاگردوں نے ان سے پوچھا۔ آپ نے شیخ ابو سعید کو کیسے پایا؟ آپ نے فرمایا۔ "جو کچھ میں جانتا ہوں' وہ ابو سعید دیکھتا ہے" دوسری طرف جب شیخ ابو سعید کے مریدوں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے بو علی سینا کو کیسے پایا؟ تو آپ نے جواب دیا۔ "جو کچھ میں دیکھتا ہوں' وہ جانتا ہوں"۔ ایک ایسا ہی رشتہ میرا محترم مظفر حسین سے ہے اور وہ اس طرح ہے کہ جو مظفر حسین جانتا ہے' وہ میں نہیں جانتا۔

مظفر حسین ایک صاحب علم سائنس دان ہیں۔ ان کے والد گرامی محترم ڈاکٹر نواب الدین ایک صاحب حال صوفی تھے۔ مگر ان کی روایت کے باوجود مظفر حسین نے عقل کا دامن نہ چھوڑا بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ عقل پر ان کی گرفت سخت تر ہوتی گئی ہر چند کہ ان کے اپنے مرشد کا خیال ہے۔

عقل چراغ راہ ہے' منزل نہیں ہے

مظفر حسین اپنا ایک واقعہ سناتے ہیں کہ ایک بار ان کے والد گرامی انہیں اپنے مرشد شیخ حاجی فضل احمد کے پاس مرید بنانے کی نیت سے لے گئے۔ شیخ نے ان کی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا "ہائے علم مغالطے" بے شک علم کا وظیفہ شک و شبہات پیدا کرنا ہے۔ یہ تو ذکر و وجدان ہی ہے' جو عین الیقین اور حق الیقین کی وادیوں کی سیر کراتا ہے۔ دراصل Leep of Faith لگائے بغیر نظارے نہیں ملتے' مگر عقل پرست سائنس دان یہ خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

معجزہ اہل فکر' فلسفہ پیچ پیچ

معجزہ اہل ذکر موسیٰ و فرعون و طور

جدید سائنس کا المیہ یہ ہے کہ یہ تکثیر کو توحید میں سمیٹ نہیں پا رہی' اس لئے شرک کے مہلک مرض میں مبتلا ہے۔ اسلام کا مطمع نظر "توحید" ہے جب کہ سائنس کا نقطہ نگاہ "توحید کے بغیر

تکثیر" ہے جس کے تحت عقل کی جڑیں اللہ سے منقطع ہو جاتی ہیں اور سائنس کا رشتہ اخلاقیات سے کٹ جاتا ہے۔

علم و وجدان کا ایک ایسا ہی ٹاکرا آج سے آٹھ صدیاں قبل قرطبہ میں بوڑھے ابو ولید ابن رشد اور نوجوان محی الدین ابو بکر محمد ابن عربی کے درمیان ہوا تھا۔ ابن رشد کے فلسفیانہ قیاس نے انہیں کچھ نہ کچھ وجدان عطا کیا تھا اسی وجدان کی روشنی میں انہوں نے ابن عربی سے ملنے کی خواہش کی۔ چنانچہ جب ابن عربی کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اس کا استقبال نہایت عزت و احترام سے کیا اور اس کے چہرے کو غور سے دیکھنے کے بعد فرمایا "نعم" ابن عربی نے بھی کہا "نعم"۔ یہ دیکھ کر کہ ابن عربی ان کی بات کو پا گیا ہے' ابن رشد کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ مگر اس کے فوراً بعد ابن عربی نے کہا "لا" تو ابن رشد کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ اس کے بعد ابن رشد نے ابن عربی سے دریافت کیا کہ کیا تمہارا الوہی کشف تمہیں وہی کچھ بتاتا ہے جو ہمیں ہمارا فلسفیانہ قیاس بتاتا ہے؟ ابن عربی نے جواب دیا "ہاں" اور "نہ" اور اس ہاں اور نہ کے درمیان روحیں اپنے اجسام کو چھوڑ دیتی ہیں اور جسموں سے سر علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ یہ سن کر بوڑھا ابن رشد کانپ اٹھا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر خاموش ہو گیا۔ بعد میں اس نے ابن عربی کے والد محترم سے کہا۔ "میں اللہ کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے محمد ابن عربی جیسی شخصیت کو دیکھنے کا موقع فراہم کیا۔ میں ہمیشہ سے یہ جانتا تھا کہ ایسا مشاہدہ ممکن ہے۔ مگر مجھے اب تک ایسا انسان نہ ملا تھا جس نے یہ مشاہدہ کیا ہو"

فلسفہ اور وجدانی علوم کی مقتدر روایات میں خلیج اتنی وسیع نہیں ہے کہ اسے عبور نہ کیا جا سکے۔ دراصل وہ فلسفہ جو انسان کو ماورائی ہستی سے ناآشنا رکھتا ہے ایک لاحاصل خیال آرائی ہے اور وہ وجدانی مشاہدہ جو فلسفہ کی مستند روایت سے آشنائی کے بغیر حاصل ہو جائے' انسان کو گمراہی کی طرف لے جا سکتا ہے۔

ابن عربی اپنی کتاب "رب القوۃ کی طرف سفر کے دوران روشنیوں کے اسرار" میں فرماتے ہیں کہ گو مواطن تو بے شمار ہیں مگر ان سب کا انحصار چھ پر ہے۔ جب زمان کا خط مکان کو کاٹتا ہے' تو وطن ظہور پذیر ہوتا ہے۔

پہلا وطن تو عہد عتیق کا ہے جس میں ارواح سے "الست بربکم" کا سوال کیا گیا تھا۔ دوسرا وطن وہ ہے جس میں ہم اب ہیں تیسرا وطن چھوٹی اور بڑی اموات کے بعد وقفے کے دوران اللہ کے نیک بندے اس زمین پر اپنی پختہ عمر کی شکل میں "رجال الغیب" بن کر اپنے فرائض منصبی ادا کر رہے ہیں۔ حضرت علامہ شیخ معظم حضرت علی ہجویریؒ سے ایک ملاقات کی خبر اسی وقت کی توثیق کرتی ہے۔ چوتھا وطن جاگتی اور پھیلائی گئی زمین پر دوبارہ اٹھائے جانے اور اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ جانے کا ہے۔ پانچواں وطن جنت اور دوزخ کا ہے جب کہ چھٹا وطن جنت کے باہر سفید مشک کے ٹیلے کا ہے' جہاں پر چنے ہوئے لوگ دیدار الٰہی سے مستفید ہوں گے۔ وہ انہیں دیکھے گا اور وہ اس کو دیکھیں گے۔ وہ ان سے خوش ہو گا اور وہ اس سے خوش ہوں گے۔

شیخ الاکبر کی مندرجہ بالا کتاب کا خوبصورت انگریزی ترجمہ دور حاضر کی ایک عظیم روحانی شخصیت شیخ مظفر الدین اوزاک الجراہی الخلوتی کی سرپرستی میں ان کی ایک مرید' محترمہ رابعہ ٹیری ہیرس نے نیویارک سے 1981ء میں شائع کیا تھا۔ بغداد کے قیام کے دوران اس کے علاوہ شیخ کی اپنی کئی ایک کتابوں کے انگریزی ترجمے بھی میری نظر سے گذرے' جو آکسفورڈ یونیورسٹی میں میرے ایک ہم عصر مختار ہالینڈ نے کئے تھے۔ وہ ان دنوں میں جان ہالینڈ کے طور پر جانے جاتے تھے۔ نہایت ہی نفیس اور نیک انسان تھے اور لسان الشرقیہ کے طالب علم تھے۔ ان کتابوں کو پڑھ کر میرے دل میں شیخ سے ملنے کی شدید خواہش پیدا ہوئی' تو اللہ تعالیٰ نے اس کا فوری بندوبست کر دیا اور میں اقوام متحدہ کے سرکاری خرچہ پر 1984ء میں چند روز کے لئے استنبول بھیج دیا گیا۔ وہاں پر میں شیخ کی قدیم کتب کی دوکان پر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے نہایت شفقت اور محبت سے میری پذیرائی کی۔ اگلے دن جمعرات کو اپنے تکیہ پر آنے کی دعوت دی۔ وہاں پر ان کے حلقے کا جو ذکر میں نے سنا اور دیکھا' تو ایسی محفل میں نے زندگی میں نہ کبھی پہلے دیکھی تھی اور نہ بعد میں دیکھی ہے شیخ سے میری یہ ملاقات میری زندگی کا ایک گراں قدر سرمایہ ہے۔ شیخ ایک ایسی حیران کن شخصیت کے مالک تھے کہ بے شمار لوگ ان پر نظر پڑتے ہی دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے تھے۔

1988ء میں جب میں دوبارہ استنبول گیا تو شیخ اس دنیا سے پردہ فرما چکے تھے۔ اب ان کی یاد اور

ان کا ایک دلکش پورٹریٹ جو میرے مکتب میں سلطان العصر حضرت غلام دستگیر القادری کی تصویر کے ساتھ سجا ہوا ہے' میرا سرمایہ حیات ہے۔ میں اپنے آپ کو نہایت ہی خوش نصیب تصور کرتا ہوں کہ بغداد کے گیارہ سالہ قیام کے دوران میراان دو عجوبہ روزگار شخصیات کے علاوہ تین اور ایسے ہی نادر بزرگوں سے تعلق رہا' جن کے پاس "یدبیضا" بھی تھا اور "قم باذن اللہ" کا تصرف بھی۔

مسئلہ دراصل محبوب کو دیکھنے کا ہے' پیا کو ملنے کا ہے۔ مسئلہ اونچے مندروں والی لیلیٰ کی نظر التفات کا ہے۔ ذکر بھی جدائی کا وظیفہ ہے اور وہ ذکر ہی کیا جو آپ کو محبوب کے در پر نہ لے جائے۔ بقول بھگت کبیر

سونے مندر دیا جلا کے
آسن سے مت ڈول
تجھے پیا ملیں گے

حضرت علامہ کا ہی قطعہ

خودی کی خلوتوں میں گم رہا میں
خدا کے سامنے گویا نہ تھا میں
نہ دیکھا آنکھ اٹھا کر جلوہ دوست
قیامت میں تماشا بن گیا میں

مجھے بے بس کر دیتا ہے اور میں حیرت زدہ ہو جاتا ہوں۔ شیخ مکرم ابوالفیض ابراہیم ذولنون کا یہ قول کہ حیرت ہی حقیقی معرفت ہے میری ڈھارس باندھتا ہے اور اللہ کا مزید کرم یہ ہوتا ہے کہ سماوی ڈھول کی تھاپ میرے کانوں میں آنی شروع ہو جاتی ہے اور میں ڈیرہ گجو ماتا میں پیروں پر گھنگرو باندھ کے قلندروں کے ہمراہ ان کے سماوی ناچ میں شامل ہو جاتا ہوں۔ دراصل ناچ اس طلب کا اظہار ہے' جو درویش کے دل میں اپنے وجود کو زمان و مکان کے چنگلوں سے آزاد کرانے کے لئے اٹھتی ہے۔ کانوں کی مندریاں اور ٹخنوں کے گھنگرو اس کے حضور کامل اطاعت کی نشانیاں ہیں۔ ویسے بھی بقول شیخ محترم سید حبیب اللہ المعروف بلھے شاہ

کنجری بنیاں میری عزت نہ گھٹدی
مینوں نچ کے یار مناون دے

بہر حال اس ناچ میں وہ بات تو نہیں جو بغداد میں بڑے پیر کے حضور میں کرد درویشوں کے رقص میں ہوتی تھی، جو اللہ ہو کا ورد کرتے ہوئے دو دو تلواریں اپنے پیٹ کے آر پار کر کے ناچتے نہ تھکتے تھے اور مظہر جان جاناں کے اس شعر کا مطلب زبان حال میں سمجھاتے تھے۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں، از غیب، جان دگر است

میں وحدۃ الوجود کی پٹاری کا ڈھکنا اٹھا کے، اس کے اندر بیٹھے کالے ناگ سے اپنے وجود کو ڈسوانا نہیں چاہتا، کیونکہ ابھی میں نے دنیا کے بیلے لوٹنے ہیں اور میرے لئے "لا موجود الا اللہ" ہی کافی ہے۔

کسی صاحب حال درلیش کے لئے جناب مظفر حسین صاحب کی اس کتاب پر تبصرہ کرنا آسان کام نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے ایک ایک فقرے پر وہ اپنے خیالوں میں کھو جاتا ہے اور اس کی روح ناچنے لگتی ہے۔ مثلاً" جب کتاب کے پہلے ہی پیراگراف میں وہ ہمیں یہ اطلاع دیتے ہیں کہ حضرت علامہ کے نزدیک اس کائنات کی مرکزی حقیقت بھی ایک شخصیت ہے تو میرے لئے یہ بات تعلق باللہ کی بڑی پیچیدہ گتھیاں سلجھا دیتی ہے اور میں بے ساختہ امیر خسرو کے اس دوہے پر ناچنے لگتا ہوں۔

خسرو نظام کے بل بل جایئے
بات ادھم کہہ دی رے، مو سے نیناں ملائی کے

(شکریہ نوائے وقت)

محمد صدیق (انگلستان)

ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

جب میں مسلمان ہوا تو میرا اسلامی نام "صدیق" قرار پایا۔ میں شروع ہی میں اعتراف کرتا چلوں کہ میں اس انتہائی باعزت اور عظیم نام کا اہل نہیں ہوں تاہم اس کے معنی و مفہوم اس اعتبار سے میرے لئے خاص اہمیت کے حامل ہیں کہ میں پچھلے سالہاسال سے "صدق" یعنی صداقت اور سچائی کی تلاش میں سرگرداں تھا اور اب اللہ کے فضل سے بجا طور پر اعلان کر سکتا ہوں کہ میں نے اسے صحیح معنوں میں پالیا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے۔

ومن يطع الله والرسول فاولئک مع الذين انعم الله عليهم من النبين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن اولئک رفيقا (النساء۔ 69)

"یعنی جو لوگ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ وہ نبیوں' صدیقوں' شہیدوں اور صالحین کی ان جماعتوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے اور کتنی اچھی ہے ان لوگوں کی رفاقت"

میں نے ایک SCOTTISH PRESBYTERIAN مسیحی گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ ہمارا خاندان کچھ زیادہ مذہبی واقع نہیں ہوا تھا۔ تعلیم بھی بس واجبی سی تھی۔ ہر اتوار کو رسمی طور پر گرجے میں حاضری بھی دی جاتی تھی اور بائبل کا درس بھی سنا جاتا مگر دلچسپی اور عقیدت کا عنصر مفقود تھا۔ چنانچہ ہفتے کے باقی چھ دن ہمارے گھر میں مذہب یا بائبل کے بارے میں کبھی کوئی بات نہیں ہوتی تھی۔ مجھے خوب یاد ہے' میں نے بائبل کا پرانا اور نیا عہد نامہ بالکل اسی نقطہ نظر سے پڑھا تھا جس طرح عام طور پر نئی اور پرانی کہانیاں پڑھی جاتی ہیں۔ لیکن جب ذرا ہوش سنبھالا اور شعور نے آنکھیں کھولیں تو میں نے ان کہانیوں پر اعتراض کرنے شروع کر دئے۔ خصوصاً" ان کی ثقاہت کے بارے میں ذہن شکوک و شبہات سے بھر گیا۔ ایسا کیوں ہے؟ ویسا کیوں ہے؟ کیا خدا کی منشاء یہی ہے کہ میں عقل خرد سے بے نیاز ہو کر بائبل پر اندھا اعتقاد رکھوں؟ اگر ایسا ہے تو انسانی شعور وادراک کا کیا مصرف ہے اور خدا نے یہ نعمتیں کیوں عطا کی ہیں؟ پھر مسیحیت کے مختلف فرقے کیوں

ہیں جب کہ ہر گروہ دوسرے کی شدومد سے مخالفت کرتا ہے۔ ان سارے سوالوں نے مجھے شدید الجھن میں مبتلا کر دیا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کروں اور کدھر جاؤں؟ چنانچہ سالہا سال تک یہ حالت رہی کہ زندگی میں زبردست خلاء محسوس ہوتا رہا۔ کسی بات میں جی نہیں لگتا تھا۔ معمولات پر اکتاہٹ کی کیفیت طاری رہتی تھی۔

میں پیشے کے اعتبار سے معالج ہوں یعنی MALE NURSE میں ہسپتالوں اور عام گھروں میں کام کرتا ہوں اور اس سلسلے میں بیرون ملک کے کئی سفر بھی کئے ہیں۔ میں نے ان گنت مرتبہ زندگی، موت اور جسمانی اذیتوں کو بڑے قریب سے دیکھا۔ چنانچہ میں اکثر سوچتا تھا' اس سب کچھ کا آخر مطلب کیا ہے؟ کیا ہم دنیا میں صرف اسی لئے آئے ہیں کہ تھوڑا عرصہ زندہ رہیں پھر مر جائیں اور ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں؟ نہیں' میرا ضمیر پکار اٹھتا تھا کہ ایسا ہرگز نہیں۔ میرا یقین پختہ ہوتا چلا گیا کہ خدا موجود ہے جو ہماری حفاظت کرتا ہے اور موت ہمارا خاتمہ نہیں کرتی۔ میرا یہ اعتقاد بھی تھا کہ خدا نے ہی حضرت مسیح کو انسانوں کی رہنمائی کے لئے بھیجا تھا۔ مگر میں تثلیث کو ماننے سے سخت انکاری تھا۔

صرف یہی نہیں' میں فطرت اور کائنات کے نظام پر غور کرتا تو کسی شک و شبے کے بغیر یہ بات عیاں ہو جاتی کہ اس سارے نظام کے پیچھے ایک قانون' ضابطہ اور حکمت کار فرما ہے اور اس کی باگ ڈور کسی برتر و بالا ہستی کے ہاتھ میں ہے' اس امر میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ اگرچہ انسان قوانین طبیعی کو بدلنے پر قادر نہیں مگر دنیا کی ہر چیز اس کے فائدے کے لئے ہے۔ چنانچہ میرے ذہن میں یہ بات آئینے کی طرح صاف ہوتی چلی گئی کہ خدا نے انسانی زندگی اور عمومی رویے کے لئے یقیناً" ایک صحیح قانون' متوازن دستور العمل اور حکیمانہ ضابطے مقرر فرمایا ہو گا۔ میں اس ضابطے کی جستجو میں لگ گیا اور ایک غیر متوقع واقعہ نے مجھے میری منزل کے قریب کر دیا۔

ہوا یوں کہ ایک ایرانی مسلمان کینسر کے موذی مرض میں مبتلا تھا۔ مجھے اس کی نگہداشت کرنی پڑی۔ وہ جسمانی اور ذہنی کرب کی جس غیر معمولی حالت میں مبتلا تھا' اس کا مشاہدہ مجھے اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ مگر حیرت ناک بات یہ تھی کہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ رہتی اور خدا پر اسکا یقین ایک لحہ کے لئے بھی نہیں ڈگمگاتا تھا۔ وہ مر گیا اور مرنے سے تھوڑی دیر پہلے اس نے قرآن پاک منگایا اور اسے دیکھا' مجھے اس عظیم انسان کی تیمارداری پر بڑا فخر تھا' بار بار خیال آتا کہ وہ کون سا جذبہ تھا جو آخری دموں پر بھی اس شخص کو مسکرانے کی جرات عطا کرتا تھا اور اس کی

امید ٹوٹتی نہیں تھی۔ یہی تجسس مجھے اس کی قبر پر لے گیا۔ قبرستان کے قریب ایک عمارت میں ایک مسلمان مقیم تھا۔ اس نے مرحوم کی قبر تک میری رہنمائی کی اور میری خواہش پر اسلام کے بارے میں مجھے کچھ لٹریچر بھی فراہم کیا۔

میں نے فرصت کے اوقات میں اس لٹریچر کا مطالعہ کیا تو یوں لگا جیسے گھپ اندھیروں میں روشنی کی ایک پاکیزہ کرن میرے سینے میں اتر آئی ہے۔ میں کئی مرتبہ وہاں گیا اور اسلام کے بارے میں کتابیں لاتا رہا۔ زبانی گفتگوئیں بھی ہوئیں اور مسلمانوں نے میرے تمام سوالوں اور اعتراضات کا جواب دیا۔ آخر میں نے قرآن کو سمجھنے کا ارادہ کیا اور اسے پڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ خدا کا شکر ہے، جلد ہی گوہر مقصود ہاتھ آ گیا۔ میں نے حضرت محمد ﷺ کے واسطے سے خدا کو پہنچان لیا۔ میں نے دیکھا کہ قرآن میں ہر وہ چیز موجود ہے، جس کی انسان کو ضرورت ہے۔ قانون، ضابطہ حیات، رہنما اصول اور سب سے بڑھ کر عقل و شعور کی کار فرمائی۔ یہ عقل و شعور ہی ہے جو حق یعنی صدق کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ قرآن میں ہے۔

اکان للناس عجبا ان اوحینا الی رجل منھم ان انذر للناس و بشر الذین امنوا ان لھم قدم مصدق عند ربھم O (سورہ یونس 2)

ترجمہ "کیا لوگوں کو تعجب ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک شخص پر وحی کی تاکہ وہ لوگوں کو (خدا کے عذاب سے) ڈرائے اور اہل ایمان کو خوشخبری دے کہ اللہ کے ہاں ان کا مرتبہ بلند ہے"

"قدم صدق" کے معنی مضبوطی سے جم جانے کے بھی ہیں۔ میں یہ آیت پڑھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ خوشخبری میرے لئے بھی ہے۔ اب شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔ حق عیاں ہو کر سامنے آ گیا تھا۔ چنانچہ 28 ستمبر 1958 کا یادگار دن تھا جب میں نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

الحمد للہ رب العالمین، مسلمانوں میں مجھے بہت سے اچھے اور مخلص دوست ملے۔ اب میری زندگی اور معاملات بامقصد بھی ہیں اور بامعنی بھی، اب میں دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتا ہوں تو مجھے اکیلے ہونے کا کبھی احساس نہیں ہوتا۔ خدا ہر وقت میرے ساتھ ہے، جو میری رہنمائی کرتا ہے۔

سماع اور وجد کے آداب نیز سماع کا حکم

(ابوالحامد محمد الغزالیؒ)

اس ضمن میں جو مسائل ہیں وہ انشاء اللہ دو ابواب میں بیان کئے جائیں گے۔

پہلا باب سماع کے مباح ہونے کے بیان میں ہے نیز اس میں یہ ذکر ہو گا کہ اس میں کونسی چیز حلال ہے اور کونسی حرام؟

یاد رکھو کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا بھید مخفی ہے جیسے آگ لوہے اور پتھر کے درمیان ہے جس طرح لوہا پتھر پر مارنے سے آگ نکلتی اور صحرا میں لگ جاتی ہے اسی طرح اچھی اور موزوں آواز سنانے سے آدمی کے دل میں جنبش ہوتی ہے اور بے اختیار دل میں ایک چیز پیدا ہو جاتی ہے عالم علوی جسے عالم ارواح بھی کہا جاتا ہے اس کے ساتھ ہر آدمی کو کچھ نہ کچھ مناسبت ہے وہی مناسبت دل ہلانے اور بے اختیار ایک چیز پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔ عالم علوی در حقیقت عالم حسن و جمال ہے اور حسن و جمال میں بہر حال تناسب ہوتا ہے جو چیز متناسب اور موزوں ہوتی ہے وہ اسی جمال کے کسی خاص وصف کی نمود ہوتی ہے اور اس عالم محسوس میں جو حسن و تناسب ہے وہ اس عالم کے حسن و جمال کا ثمرہ ہوتی ہے تو اچھی اور موزوں آواز بھی اس عالم کے عجائبات سے مشابہت رکھتی ہے اور اس سبب سے دل میں حرکت پیدا کرنے اور شوق و اشتیاق کا ذریعہ بنتی ہے یہ بات اس دل میں پیدا ہوتی ہے جو سادہ منش ہو اور عشق و شوق سے خالی ہو لیکن اگر دل خالی نہ ہو اور کسی چیز کے ساتھ مشغول ہو تو جس چیز کے ساتھ مشغول ہوتا ہے اچھی آواز سننے سے وہ چیز اس طرح حرکت میں آجاتی ہے جیسے پھونک سے آگ بھڑکتی ہے جس کے دل میں عشق الٰہی کی آگ ہو اس کے لئے سماع ضروری ہے تاکہ وہ آگ مزید بھڑکے اور جس کا دل غلط قسم کی محبت کا شکار ہو اس کے لئے سماع حرام اور زہر قاتل ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ سماع حلال ہے یا حرام؟ جن علماء

نے حرام کہا ہے وہ اہل ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں کیوں کہ ان پر یہ راز بھی نہیں کھلا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت آدمی کے دل میں نزول فرماتی ہے ان کا خیال یہ ہے کہ آدمی کی دوستی اپنے ہم جنس سے ہوتی ہے۔ جو چیز اس کی جنس سے نہ ہوگی اور نہ کوئی چیز اس کے مانند ہوگی اسے آدمی کی دوستی اپنے ہم جنس سے ہوتی ہے۔ جو چیز اس کی جنس سے نہ ہوگی اور نہ کوئی چیز اس کے مانند ہوگی اسے آدمی کیسے دوست رکھ سکے گا۔ ایسے علماء کے نزدیک مخلوق کے عشق کے سوا عشق کی کوئی دوسری صورت ممکن ہی نہیں اگر اللہ کا عشق دل میں جگہ پکڑ بھی لے تو خیالات کے سبب ان کے نزدیک وہ باطل ہوگا اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ سماع یا تو کھیل ہے یا مخلوق کے عشق کی وجہ سے ہے اور یہ دونوں باتیں دینی اعتبار سے مذموم اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ اللہ کی محبت اور دوستی جو مخلوق پر لازم ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب عبادت و فرماں برداری ہے ان لوگوں کی یہ بھول ہے منجیات (باعث نجات) میں جہاں محبت کی حالت بیان ہوگی وہاں اس کا بھی ذکر ہوگا۔

یہاں تو ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سماع کے متعلق فتویٰ اپنے دل سے لینا چاہیئے کیونکہ جو چیز دل میں نہیں ہوتی سماع اسے پیدا نہیں کر سکتا بلکہ سماع اسی چیز کو حرکت میں لاتا ہے جو دل میں ہوتی ہے تو جس شخص کے دل میں ایسی چیز جو شرعاً پسندیدہ ہو اس کا قوی ہو جانا مطلوب ہو تو جب سماع اس کو قوی کرے گا تو سننے والے کو لازماً ثواب ملے گا اور جس کے دل میں وہ چیز ہو جو شرعاً مذموم اور بری ہو تو سننے والے کو عذاب ہو گا۔ اور جس کا دل دونوں سے خالی ہو اور وہ محض کھیل کے طور پر سنتا ہو اور محض طبعی لذت حاصل کرتا ہو تو اس کے لئے سماع مباح ہے گویا سماع کی تین قسم ہیں۔

قسم اول! آدمی غفلت کے ساتھ بطور کھیل تماشہ سماع سنے۔ یہ اہل غفلت کا طریقہ ہے اور ظاہر ہے کہ دنیا جب ایک کھیل ہے تو اس قسم کا سماع بھی اسی جیسا ہو گا۔ باقی یہ بات درست نہیں کہ چونکہ سماع بھلا معلوم ہوتی ہے اس لئے وہ حرام ہے کیونکہ جتنے کام بھلے ہوتے ہیں وہ سبھی حرام تو نہیں اور خوش کن کام کا حرام ہونے کا سبب یہ نہیں کہ وہ خوش کن اور بھلی معلوم ہوتی ہے بلکہ

حرام ہونے کا سبب وہ فساد و نقصان ہوتا ہے جس کا تجزیہ ضروری ہے یوں تو پھر پرندوں کی آوازیں مرغوب ہیں لیکن حرام تو نہیں اور بندہ جاری پانی اور پھول بڑے بھلے معلوم ہوتے ہیں لیکن حرام نہیں تو اچھی آواز کان کے حق میں ایسی ہے جیسے آنکھ کے حق میں سبزہ اور آب جو' اسی طرح خوشبو ناک کے حق میں اچھا کھانا زبان کے حق میں اور حکمت و دانائی کی باتیں عقل کے حق میں بھلی اور اچھی لگتی ہیں۔ جہاں تک آنکھ' ناک' زبان اور عقل کا تعلق ہے ان میں سے ہر ایک سبزہ و خوشبو وغیرہ سے بہر طور پر لذت یاب ہوتے ہیں۔ تو پھر سماع ہی کیوں حرام ہو گا۔ خوشبو سونگھنا کھیل دیکھنا اور سبزہ کی سیر حرام نہیں اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ حبشی لوگ عید کے دن مسجد میں مصروف کھیل تھے آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم دیکھنا چاہتی ہو میں نے کہا ہاں۔ آپ دروازے پر کھڑے ہو گئے اور ہاتھ مبارک بڑھائے حتیٰ کہ میں نے اپنی ٹھوڑی آپ کے ہاتھ پر رکھ لی اور اتنا جی بھر کر دیکھا کہ آپ نے کئی بار فرمایا کہ اب بس نہیں کرو گی میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس سے پانچ قسم کی اجازتیں سامنے آئی ہیں ایک تو یہ کہ کھیل اور اس نوع کی چیزیں کبھی کبھار دیکھنا حرام نہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ حضرات مسجد میں مشغول تھے تیسرے یہ کہ جب آپ حضرت عائشہ ؓ کو وہاں لے گئے تو فرمایا دونکم یا نبی ارقد اس میں کھیل کا حکم ہے تو اگر کھیل حرام ہوتا تو آپ ایسا حکم کیوں دیتے۔ چوتھے یہ کہ آپ نے ام المومنین سے پہل فرمائی اور فرمایا کہ تم دیکھنا چاہتی ہو اس میں ایک طرح کا تقاضہ ہے برخلاف اس کے کہ وہ پہلے سے دیکھ رہی ہوتیں اور آپ خاموش رہتے تو ممکن تھا کہ کوئی کہہ دیتا کہ انہیں رنجیدگی سے بچانے کے لئے منع نہیں کیا کیوں کہ رنجیدہ کرنا بری بات ہے۔ پانچویں یہ آپ خود حضرت ام لمومنین ؓ کے ساتھ دیر تک کھڑے رہے اس کے باوجود کہ نظارہ بازی آپ کا کام نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں اور بچوں کی موافقت کے سبب ایسے کام جائز ہیں تاکہ ان کا دل خوش ہو اور اپنے طور پر پارسا بننے سے یہ بہتر ہے حدیث میں ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ ؓ

فرماتی ہیں کہ میں بچی تھی اور بچیوں کی عادت کے موافق گڈے گڈیاں سنوارتی چند سیلیاں بھی آ جاتیں جب نبی کریم ﷺ تشریف لاتے تو وہ بھاگ جاتیں آپ ان کو پھر میرے پاس بھیج دیتے آپ نے ایک دن ایک بچی سے پوچھا کہ یہ گڑیا چیز کیا ہے تو اس نے کہا کہ یہ میری بیٹی ہے تو آپ نے فرمایا کہ ان کے درمیان کیا بندھا ہے اس نے کہا کہ ان کا گھوڑا ہے آپ نے پوچھا کہ گھوڑے کے اوپر کیا ہے اس نے کہا کہ اس کے بال و پر ہیں آپ نے پوچھا یہ کہاں سے آئے حالانکہ ایسا تو نہیں ہوتا اس نے کہا کہ آپ نے نہیں سنا کہ سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے کے بال و پر تھے آپ ہنس پڑے حتی کہ آپ کے دندان مبارک کھل گئے یہ حدیث میں نے اس لئے ذکر کی کہ معلوم ہو جائے کہ خواہی نخواہی تقدس و پرہیز گاری جتانا اور ترشروئی اختیار کرنا اور اپنے آپ کو ایسے کاموں سے الگ تھلگ رکھنا دینداری نہیں، بالخصوص لڑکوں اور ایسے اشخاص کے حق میں جو مناسب کام کریں وہ کام ان کے حق میں نازیبا نہ ہوں۔ باقی یہ حدیث اس کے حق میں دلیل نہیں کہ تصویر درست ہے اس لئے کہ کھلونے تو لکڑی اور کپڑے کے ہوتے ہیں اور ان کی پوری تصویر نہیں ہوتی اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ گھوڑے کے بال کپڑے کے تھے حضرت عائشہ صدیقہؓ یہ بھی روایت فرماتی ہیں کہ عید کے دن لونڈیاں میرے پاس بیٹھی دف بجا رہی تھیں آپ تشریف لائے تو منہ دوسری طرف کر کے بستر پر لیٹ گئے میرے ابا حضرت صدیق اکبرؓ تشریف لائے تو ان لڑکیوں کو ڈانٹا اور فرمایا کہ اللہ کے نبی کے گھر میں شیطانی آلات؟ آپ نے متوجہ ہو کر حضرت صدیق اکبر سے فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو آج یوم عید ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دف بجا کر گانا مباح ہے اس میں شک نہیں کہ آپ کے مبارک کان میں آواز پہنچی تھی تو آپ کا سننا اور حضرت ابوبکر کو روکنا کہ انہیں کچھ نہ کہو اس کے مباح ہونے کی دلیل ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ دل میں میری خواہش ہو۔ تاکہ لذت یابی حاصل ہو یا اس کی عدم موجودگی میں سماع میں مشغول ہو تاکہ شوق اور بڑھے یا گانے میں زلف و گیسو، خد و خال اور حسن و

جمال کا ذکر اور اس کا دھیان اپنے محبوب چھو کرے یا رنڈی کی طرف ہو تو یہ سماع حرام ہو گا۔ اکثر جوان لوگ اسی میں مشغول ہوتے ہیں اس کے حرام کا سبب یہ ہے کہ عشق باطل کی آگ کا بجھانا واجب ہے اس کا بھڑکانہ کیونکر درست ہو گا لیکن یہ عشق اگر اپنی بیوی بچوں کے ساتھ ہو تو یہ سماع بہت درست ہو گا ہاں طلاق دینے کے بعد لونڈی کو بیچنے کے بعد حرام ہو گا۔

تیسری قسم یہ ہے کہ دل میں کوئی اچھی صفت ہو اور سماع اس کے لئے باعث تقویت ہو یہ چار نوع سے ہے پہلی نوع تو یہ ہے کہ کعبتہ اللہ وغیرہ سے متعلق حجاج کے اشعار پڑھے جائیں تاکہ دل میں اللہ کے گھر کی محبت اور شوق پیدا ہو تو جس شخص کا حج کے لئے جانا درست ہے اس کے حق میں یہ سماع باعث اجر و ثواب ہو گا لیکن جس کے ماں باپ اجازت نہ دیں یا اور کوئی معقول وجہ رکاوٹ ہو تو اس کے لئے سماع درست نہ ہو گا بلکہ یہ آرزو اپنے میں اور مضبوط کرے اور وقت کا انتظار کرے ہاں اگر وہ اس بات پر قادر ہو کہ نہ جا کر یہی اپنے حال پر قائم رہے تو پھر ٹھیک ہے۔ غازیوں کا سرود و سماع بھی اس کے قریب قریب ہے کہ خدا کے دشمنوں کے ساتھ لڑنے اور اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر قربان کرنے کی خواہش ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ثواب کا کام ہے جیسے لڑائی میں اشعار پڑھے جاتے ہیں تاکہ مرد دلیر ہوں اور خوب لڑیں تو اگر کافروں سے لڑائی ہو تو اس میں تو ثواب ہے لیکن اہل حق کے ساتھ ہو تو پھر حرام ہے۔

دوسری نوع اس سرود و نغمہ کی ہے جو نوحہ اور رلانے کا باعث بنتا ہے اور دل میں رنج بڑھاتا ہے اس میں بھی ثواب ہے بشرطیکہ نیت یہ ہو کہ اعمال میں جو کوتاہی اور تقصیر ہے اس پر رویا جائے اور جو درجات عالیہ اللہ تعالیٰ نے دئے ہیں ان پر محبت کا رونا رویا جائے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کا حال تھا اور اگر دل میں رنج حرام ہے تو اس پر نوحہ بھی حرام ہے جیسے کوئی عزیز دنیا سے رخصت ہو گیا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

لکیلا تاسو علی مافاتکم

جو گزر گیا' اس پر رنج مت کھاؤ

اگر کوئی شخص قضا الٰہی سے کراہت کھاتے ہوئے رنج و اندوہ میں مبتلا ہوتا ہے اور اس پر نوحہ و گریہ کرتا ہے تو یہ حرام ہے اسی لئے نوحہ گر کی اجرت بھی حرام ہے اور وہ خود گناہ گار ہے بلکہ جو شخص وہ نوحہ سنے گا وہ بھی مجرم ہے۔

تیسری نوع یہ ہے کہ دل میں جو خوشی ہے اس کے ازدیاد کے لئے ایسا کرے کیوں کہ خوشی کی بات پر خوش ہونا مباح ہے تو یہ کام ثواب کا ہو گا۔ جیسے رسم عروسی' ولیمہ اور عقیقہ کے مواقع اسی طرح لڑکا پیدا ہونے' اس کا ختنہ کرانے یا پھر سفر سے واپسی کا موقعہ۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ پہنچے تو لوگ خوشی کے مارے آپ کے آگے آگے یہ شعر پڑھتے۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعی اللہ داع

اسی طرح عید کے دنوں میں خوشی اور اس سبب سے سماع درست ہے۔ علی ہذا القیاس جب احباب کی نشست ہو اور مل جل کر کھانا کھائیں تو محفل کو طرب زا بنانے کے لئے اس کی اجازت ہو گی۔

چوتھی نوع یہ ہے کہ کسی کے دل پر اللہ کی محبت غالب ہو کہ عشق کے درجہ میں پہنچ گئی ہو اس شخص کے لئے سماع ضروری ہے اور ممکن ہے بہتیری رسمی نیکیوں سے اثر زیادہ ہو اور ہر جو چیز اللہ کی محبت و دوستی کے ازدیاد کا سبب بنے اس کا اجر بھی زیادہ ہوتا ہے صوفیا کا سماع اسی نوع سے تعلق رکھتا تھا۔ اگرچہ اب محض ایک رسم کی شکل میں باقی رہ گیا ہے اب لوگ ظاہری طور پر صوفیا کی شکل اختیار کر لیتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ بے بہرہ اور مفلس ہوتے ہیں۔

بہر حال عشق الٰہی کی آگ بھڑکانے میں سماع کا بڑا اثر ہے صوفیا میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں

کہ سماع میں انہیں مکاشفات نصیب ہوتے ہیں اور اس کے سبب انہیں وہ لذت حاصل ہوتی ہے جو بغیر سماع کے حاصل نہیں ہوتی، وہ احوال لطیف جو سماع کی بدولت انہیں عالم غیب سے حاصل ہوتے ہیں انہیں یہ لوگ وجد کا نام دیتے ہیں اور ہوتا یہ ہے کہ حالت سماع میں ان لوگوں کا دل ایسا پاک صاف ہوتا ہے جیسے آگ پر تپانے سے چاندی پاک ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سماع دل میں آگ لگا کر اسے تمام کدورتوں سے پاک کر دیتا ہے یہ حرارت اور اس کے سبب کدورتوں کا دفعیہ جس طرح سماع سے حاصل ہوتا ہے بہتیری ریاضتوں سے حاصل نہیں ہوتا۔ انسانی روح کو عالم ارواح سے جو مناسبت ہے سماع اس میں تحرک کا ذریعہ بنتا ہے حتی کہ روح کا اس جہان سے کوئی تعلق نہیں رہتا اور اس جہان میں جو کچھ ہوتا ہے انسانی روح اس سے بالکل بے خبر ہوتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ صوفی کے اعضا کی قوت ساقط ہو کر رہ جاتی ہے وہ گر تا پڑتا ہے اور بے ہوش ہو جاتا ہے اس حال میں اس کا بڑا درجہ ہوتا ہے حاضرین مجلس میں سے جو شخص اس حالت سے عقیدت رکھتا ہے وہ بھی اس کی برکات سے محروم نہیں رہتا لیکن اس میں اکثر لوگ غلطی کر جاتے ہیں اور سمجھ بوجھ میں اکثر خطا واضع ہو جاتی ہے اس کے حق و باطل کی پہچان وہ حضرات جانتے ہیں جو پختہ کار ہوتے ہیں۔ مرید کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ خواہش پیدا ہوئے بغیر وہ سماع میں مشغول ہو۔ حضرت شیخ ابوالقاسم گورگانی کے مریدین میں ایک صاحب تھے جن کا نام علی حلاج تھا انہوں نے سماع کی اجازت چاہی آپ نے فرمایا تین دن کھانا مت کھاؤ اس کے بعد عمدہ کھانا سامنے آنے پر اگر تجھے خواہش نہ ہو اور اس کے مقابلہ میں سماع پسند ہو تو پھر یہ خواہش درست ہو گی۔ لیکن جس مرید کی دلی کیفیات ایسی نہ ہوں اور وہ معاملات کے سوا کچھ نہ جانتا ہو یا اس کے دل کا حال تو ایسا ہو لیکن اس کی خواہش کشتہ و شکستہ ہو تو پیر پر لازم ہے کہ اسے سماع سے منع کرے کیونکہ اسے فائدہ کے بجائے نقصان زیادہ ہو گا۔

جو شخص صوفیا کے سماع اور وجد و حال کا انکار کرتا ہے وہ اپنی تنگدلی اور کم ظرفی کے سبب ایسا

کرتا ہے وہ اس انکار میں معذور اور بے قصور ہے اس لئے کہ جو چیز اسے حاصل نہیں وہ اس کو کیسے مان سکتا ہے اس کا حال مخنث جیسا ہے جو لذت جماع سے محروم ہے کیونکہ یہ لذت تو قوت مردمی کے سبب نصیب ہوتی ہے اور مخنث اس سے محروم ہے اسی طرح سبزہ اور آب جو دیکھنے سے لذت حاصل ہوتی ہے اس کو اندھا کہا جائے گا؟ اگر وہ اس کا انکار کرے تو تعجب کی بات نہیں کہ اس کی آنکھیں ہی نہیں، جن سے وہ نظارہ بازی کر سکے اسی طرح ریاست، سلطنت فرماں روائی اور ملک داری میں جو لذت ہے اس کا اگر کوئی لڑکا انکار کرے تو تعجب نہیں کہ وہ ہنوز کھیل کود میں مشغول ہے اسی طرح کوئی شخص عقلمند ہو یا جاہل صوفیا کے حالات کے معاملہ میں لڑکوں کی مانند ہے کہ وہ ابھی اس چیز کو پہچانتا نہیں اس لئے اس کا انکار کرتا ہے جو شخص کچھ زیرکی و دانائی کا سرمایہ رکھتا ہو گا وہ اتنی بات ضرور جانے گا کہ ان حالات سے میں بے خبر ہوں لیکن یہ جھوٹ نہیں۔ وہ صوفیا کی مخصوص کیفیات پر یقین ضرور رکھتا ہو گا کہ ان حالات سے میں بے خبر ہوں لیکن یہ جھوٹ نہیں۔ وہ صوفیا کی مخصوص کیفیات پر یقین رکھتا ہو گا لیکن ایسا شخص جسے یہ لذت نصیب نہیں اور وہ اسے دوسروں کے حق میں بھی محال جانتا ہو وہ بڑا احمق ہے اور ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔

واذلم یھتدوا بہ فسیقولون ھذاافک

جب وہ راہ حق سے محروم رہتے ہیں تو پھر یوں کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ تو پرانا جھوٹ ہے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ اجتماع اپریل 2002ء مورخہ

جمعہ 19	ہفتہ 20	اتوار 21

کو انشاء اللہ منعقد ہو رہا ہے بھائیوں سے شرکت کی اپیل ہے

سالانہ اجتماع

نزد وحید کالونی، کوٹ شاہاں پیر و شہید بس سٹاپ، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

ضروری اطلاع

سالانہ مجلہ فنڈ -/150

شیخ سلسلہ قبلہ محمد صدیق توحیدی صاحب نے سلسلہ کے تمام بھائیوں کو تاکید کی ہے کہ وہ اپنا سالانہ مجلہ فنڈ برائے سال 2002ء ماہ جنوری سے ماہ اپریل (سالانہ اجتماع) تک اپنے خادم حلقہ یا ایڈیٹر مجلّہ کو جمع کروادیں تا کہ مجلّہ کی طباعت کو یقینی بنایا جا سکے۔

FALAH-E-ADMIAT

Registred CPL No. 491

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت — اللہ — محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پروازِ سلسلہ

بانی سلسلہ کی تصانیف

"چراغ راہ" خواجہ عبدالحکیم انصاری" سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر مریدین کی تربیت اور راہنمائی کے لئے جو خطبات ارشاد فرماتے رہے یہ کتاب ان کا مجموعہ ہے اس میں نئے سلسلہ کے قیام کے اغراض و مقاصد تفصیل سے درج کرنے کے علاوہ راہ سلوک کے پیچ و خم، نشیب و فراز اس میں پیش آنے والی رکاوٹیں اور پیدا ہو جانے والی غلط فہمیاں بیان کر دی گئیں ہیں اور صدیوں سے حل طلب روحانی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے ایسے ایسے نادر نکات بیان کئے گئے ہیں کہ یہ گیارہ خطبات ملت اسلامیہ کے لئے درس حیات اور سالکین کے لئے منارہ ہائے نور کی حیثیت رکھتے ہیں وہ خصوصی مسائل جن پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ ہیں۔

☆ سلوک و تصوف میں اپنے ذاتی تجربوں اور تحقیق کا بیان۔

☆ مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور میں کیسے کیسے فقیر ملے اور مرشد سے ملاقات کا حال۔

☆ ہمارے زوال میں امرا علماء اور صوفیاء نے کیا کردار ادا کیا؟

☆ علماء ظاہر اور اہل روحانیت صوفیاء کے اصلاح کے طریقوں میں کیا فرق ہے۔

☆ قوم میں تصوف خفتہ اور تصوف بیدار کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟

☆ تصوف کی اہمیت اور انسان کی زندگی پر اس کے اثرات۔

☆ عقل صمیم، عقل سلیم اور قلب سلیم کیا ہیں اور ان سے ہمیں کیا ملتا ہے۔

☆ یوگا، ہپناٹزم اور مسمریزم کی حقیقت اور انکے مقابلہ میں اسلامی روحانیت کی برتری اور فضیلت

☆ کرامات کی طاقت کس طرح حاصل ہوتی ہے اور کشف کیونکہ ہوتا ہے؟

☆ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی؟